سراج الاخلاق

مصنفہ

مولوی مرزا سلطان احمد خاں صاحب افسر مال منٹگمری

ترقی مسلمانان کا نمونہ

جس کو

مولوی سید ممتاز علی صاحب نے

مرتب کر کے

سنہ ۱۹۰۳ء

رفاہ عام سٹیم پریس لاہور میں چھپایا

تمام مجموعہ عالم کو رب جانا اور پھر جب قدرتی رہبر نے آگاہ کیا تو حقیقت کی راہوں سے
ہو کر اصلی ذات پاک کی شناخت اور نظارہ کیا۔ ایسے ہی ہر شخص کو اگر حسب استعداد
قدرت کی جانب سے جرأت اور رسا سائی۔ ہوئی تو اس قدر باریکیوں اور دقائق پر کبھی
عبور نہ ہو سکتا۔ اور نہ انسان کی ادراکی قوتوں میں جلا اور ضیا آتی ✢

قدرت نے جیسے اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر میں مختلف صورتیں اور قسمیں شمار رکھی
ہیں ایسے ہی حقائق کے ادراک کے واسطے سارے مجموعہ عالم سے حسب استعداد کام
لیا گیا ہے ✢

جس طرح ایک طاقت اپنے آپ کو کل مجموعہ عالم نہیں کہہ سکتی اور نہ اس پر مجموعہ
کا اطلاق ہو سکتا ہے۔ ایسے ہی یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ ایک ہی طاقت نے اس مجموعہ
کے کمالات یا نقائص کی تشریح اور تفصیل کی ہے یا جو کچھ اس مجموعہ میں اجزائے
مجموعہ کے ادراکات اور اکتسابات یا اقتباسات ہیں وہ سب ایک ہی راہ سے آئے
اور ایک ہی منفذ سے نکلے ہیں ✢

اگر کوئی شخص جرأت کر کے ایسا ادّعا کرے بھی تو وہ ضرور ایک فاش غلطی اور ٹھوکر
کھائیگا۔ اگر وہ اپنی نگاہوں کو منازل مطالب اور مآخذ مقاصد تک اور بھی ترقی دیگا
تو اُسے معلوم اور ثابت ہو جائیگا کہ درحقیقت اُس کی رائے اور خیال حقیقت سے کوسوں
دُور ہے۔ ایک مُوحد یا ایک صانع یا مدرک واحد ہونے یا بننے کا اُسی ذات کو حق اور
شرف حاصل ہے جس کو اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر کا حقیقی صانع اور مدبّر کہا جاتا ہے
اور جس کے مقابلہ میں اور سب ذاتیں اور طاقتیں ہیچ اور ناکارہ محض ہیں۔ یہ دعوے
اُسی کو سجتا اور سچ تو یہ ہے اُسی سے پھبتا ہے کہ "میں ہی سب کا مُوجد اور سب کا
صانع اور مدرک کل اور قادر مطلق اور علت العلل ہوں اس سارے مجموعہ عالم کی ساری
طاقتیں اور سارے ادراکات اُس کے ایک نقطہ کُن اور انا کے آگے ردی اور
خرفات ہیں ہم اور ہماری بضاعت یا ہمارے ادراکات ہی کیا ما آنیم کہ خود دانیم۔
مانا کہ ہم میں سے اکثر طاقتیں زبردست اور ظاہر الامور اور قادر بھی ہیں مگر اس سیادت
اور قدرت کو اُس خزانہ قدرتی اور طاقتہائے ذہنی سے کیا نسبت ع چہ نسبت خاک را با عالم پاک ✢

اگر ایک دِیا آفتاب کی برابری کا ادعا کرے تو کیا اُس کو سجیگا یا اُس کا نُور عارضی اُس عالمگیر نُور کا مقابلہ کر سکیگا ہرگز نہیں۔ اُس کی ٹمٹماتی روشنی تو اُسی وقت ہوتی ہے۔ کہ جب وہ عالمگیر نُور ایک اور عالم میں منتقل ہوتا ہے ؛

اگرچہ دیئے کو آفتاب کے مقابلہ میں عالم ظلمت میں یہ سکت ہے کہ اس سے ہر رہرو اور سالک ہدایت پا سکیں مگر اُس نور عالی اور ذات احدیت کے مقابلہ میں تو اس سارے مجموعہ کو اس قدر بھی دعوے ہمسری حاصل نہیں آفتاب کے غروب کے بعد تو دیئے کو ایک حال یعنی روشنی حاصل ہو جاتی ہے لیکن اگر اس صانع کی جانب سے اس مجموعہ کبیر کے مقابلہ میں ذرا بھی دگرگونی کا عالم ہو تو اُس کے فنا اور انعدام میں کیا شک و شبہ ہو سکتا ہے۔ الحق کل شیئے قایم بہ۔ اگر اس کا سایہ اور ظل نہ ہو تو کوئی وجود اور کوئی طاقت ایک دم کے لیئے بھی ثابت اور قایم نہ رہ سکے یا یوں کہو کہ اُس کے ظل اور ضیا کا نام ہی مجموعہ عالم ہے۔ اگر اس کا ظل اور ضیا نہ ہو تو کچھ بھی نہ ہوگا۔ ہو سکتا تھا کہ وہ قادر مطلق ایک یا چند اشخاص یا طاقتوں سے ہی اس مجموعہ عالم میں کام لیتا اور انہیں کو کل امور اور کل رموز پر مدرک اور حاوی کر دیتا لیکن اگر ایسا ہوتا بھی تو ہم خود ہی کہتے کہ یہ اچھا نہیں ہوا کیونکہ ایسا کرنے سے دُنیا یا ما فیہا دُنیا کے انتظامات میں سب ہی ابتری واقع ہوتی ؛

یہ بھی اُس کی حکمت ہی ہے کہ اُس ذات پاک نے دنیا کی ہر ایک کل کو اپنے اپنے کام اور دھندوں میں لگا رکھا ہے جس سے یہ چرخہ چل رہا ہے اسی اصول اور اسی بنیاد پر اُس حکیم مطلق نے اس مجموعہ عالم یا مجموعہ کبیر کے ہر ایک جزو اور حصہ کو ایک جُدا استعداد اور حیثیت بخش رکھی ہے اُسی حیثیت یا استعداد موافق اور پیمانہ پر قدرت کی طرف سے فیضان ہوتا ہے۔ اور اُس فیضان کے موافق ہر ایک حصہ یا جزو کام کر رہا ہے ؛

بقول ایک فلاسفر کے دُنیا کی ہر ایک طاقت ایسا ایسا کام کر رہی ہے جس قدر کسی کو بخشا گیا ہے اُسی قدر صرف کرتا ہے ؛

قدرت کے خزانوں سے ہر ایک کو استعداد کے موافق ملتا اور دیا جاتا ہے اور اُسی پیمانہ کے مطابق ہر ایک طاقت کام کرتی ہے جس قدر کسی کا ظرف ہے وہ اُسی قدر پاتا ہے ظرف میں جو کچھ ہوتا ہے وہ ہی ٹپکتا ہے۔ اگر کوئی طاقت اپنی طاقت سے

زیادہ کام کرنا چاہے تو وہ ایک غلطی کرے گی +

استعداد کیا شئے ہے وہی حالت اور وہی صورت جو ہر ایک وجود اور ذات کو حاصل ہے اور ہر ایک وجود اور ہر ایک ذات کی استعداد جُدا جُدا ہے۔ اور ہر ایک استعداد کا میلان الگ الگ جیسے ظاہری صورتیں آپس میں مختلف ہیں ایسے ہی باطنی استعدادیں بھی مختلف ہیں۔ جیسے ظاہری نقوش اور صورتوں میں کبھی کبھی یا کسی کسی میں اتحاد نقش یا صورت واقع ہو جاتا ہے ایسے ہی ان باطنی حالتوں میں بھی اتحاد اور میلان یک سوئی پایا جاتا ہے۔ مگر کل امور میں نہیں بلکہ بعض میں اور وہ بھی ہو بہو نہیں بلکہ محض نام کو +

یہ سوال کہ استعدادیں کیوں مختلف ہیں اور ان کے سوارے اور پیمانے کیوں الگ الگ رکھے گئے ایک بڑا طویل جواب چاہتا ہے جس کو ہم کسی اور موقع پر بیان کرینگے مگر اس قدر بتائے جاتے ہیں کہ ان اختلافات تو قلمونی کا ہی یہ سارا کھیل ہے کہ اس دُنیا یا اس مجموعہ عالم کو برکات یا حرامات کا موجب کہا جاتا ہے اگر یہ تو قلمونی اور اختلاف نہ ہوتا تو اس قدر بکھیڑے اور نہ دلچسپیاں اور ترقیات ہی کیوں ہوتیں +

ہم جو ایک امر کو دوسرے سے نکھارتے اور تمیز کرتے ہیں اوس کا اصلی باعث حالات اور استعداد کا اختلاف ہی تو ہے کوئی طبیعت کچھ کام کرتی ہے اور کوئی کچھ کسی کا میلان کسی طرف اور کسی کا کسی طرف اگر دس آدمی کی ایک معاملہ پر رائے دریافت کی جائے تو ثابت ہو جائیگا کہ ان دسوں کو آپس میں کلی اتفاق نہیں۔ یہ بات جدا ہے کہ ایک بحث کے بعد ایک رائے قرار پا جائے

لیکن اس میں کچھ شک نہیں کہ ابتدا میں ہر ایک کی مُرتال جُدا جُدا ہی ہوگی دوسرے کے معاملہ میں کیا ذاتی اور وجدانی طور پر بھی انسان کے خیالات میں متواتر اختلاف اور تضاد ہوتا رہتا ہے۔ اور ان تبدلات کے بعد ایک تیسری رائے قایم ہوتی ہے +

ہم اختلاف حالات کے محاسن اور خوبیوں کو ایک جدا موقع پر تفصیل کے ساتھ بیان کرینگے یہاں اسی قدر پر اکتفا کرتے ہیں کہ ان اختلافات سے ہی دُنیا کی منڈی بارونق ہے۔ بُرائی اور بھلائی نیکی یا بدی بالعموم اختلاف حالات سے ہوئی اور ہوتی ہے اگر تمام لوگ ایک ہی رائے رکھتے تو ہم اُس وقت نہ کہہ سکتے کہ دُنیا کے پردہ پر کون نیکی ہے

تو اُس کے الفاظ گویا ایک شکنجہ کی حیثیت رکھتے ہیں جس طرح ایک بڑے فراخ یا ڈھیلے شکنجہ
سے چھوٹے جانور آسانی سے نکل کر پرواز کر جاتے ہیں اسی طرح پر اس ناموزوں اور
غیر محدود تعریفی شکنجہ سے تمام نیکیاں اور ساری بدیاں نکل نکل کر الگ جا کھڑی ہوتی ہیں
اور اخیر پر معرف کو معلوم ہوتا ہے کہ دام تعریف میں کوئی صید بھی نہیں ہے ٭

جو خیال۔ عمل۔ طریق عمل کسی ایسے فائدے یا سہولیت کا باعث ہو۔ جو اصول عامہ
اور روش قدرت اور سلسلہ نظام عالم کے مخالف واقع نہ ہو یا اُس سے ذاتی یا کسی دوسرے کی
سہولت بھلائی۔ بہتری۔ ہو وہ اُسی اُصول عامہ پر نکلتی اور پیدا ہوتی ہو اور جو امن
عام اور آسایش انام اور سچی آزادی کے منافی۔ نہ ہو وہ ایک نیکی ہے ٭

جو صورت خواہ طریق اس صورت کے منافی اور متضاد ہو اُسے بدی کہا جائیگا اس
تعریف میں ہم نے الفاظ اُصول عامہ اور روش قدرت دو ایسے الفاظ بیان کئے ہیں جو
خود تشریح طلب اور کسی قدر مبہم المعانی ہیں روش قدرت سے مراد وہ نیچرل یا فطرتی
عمل مراد ہے جو اس مجموعہ کبیر میں دخیل یا مؤثر ہے اور جس کا ثبوت ساختہ یا مناسب
مقدار جو انسانی طبایع میں موجود ہے اور جو بمنزلہ ایک جاری اور مسلّمہ قانون کے
ہے اور جس پر انسان اور اس مجموعہ عالم کے تمام اجزا اجبارًا عمل کرتے ہیں ٭

اُصول عامہ سے وہ اُصول مراد ہے جو اخیر پر تمام فرقوں تمام طبیعتوں اور گروہوں
میں ابحاث کے بعد حقیقتًا تسلیم کیا جاتا ہے اور جس پر اس تمام دنیوی بکھیڑے کی نیو
قائم کی گئی ہے ٭ گو اس اُصول عامہ کی تشریح اور تفصیل کے وقت اور حواشی اور
عوارض کو بیان کیا جاتا ہو مگر جڑ اور بنیاد وہی ہے ٭

جو نیکی اور جو بدی اس تعریف کے دائرے میں مندرج اور محاط ہے وہی نیکی
ہے اور وہی بدی ٭

نیکی اور بدی کی قسمیں

گو نیکی اور بدی کا وجود اپنی اپنی ذات میں واحد واقع ہوا ہے مگر دنیاوی حالتوں
میں ایک نہیں صدہا اقسام نیکی اور بدی کی پائی جاتی ہیں یا یوں کہو کہ دنیاوی

بازاروں میں نیکی اور بدی کی تقسیم یا تفریق اپنے اپنے جذبات اور کششوں پر کی گئی ہے جدھر جدھر میلان طبایع ہوا ہے اُدھر اُدھر ہی نیکی اور بدی کی طنابیں چھوڑ دی گئی ہیں یا یوں کہو کہ اختلاف جذبات نے ہر ایک گھر میں نیکی اور بدی کی جُدا جُدا دیویاں بنا رکھی ہیں اور جُدا جُدا راہوں اور آؤبھگت سے اُن کی پرستش اور پوجا ہوتی ہے اور ہر ایک کا یہی خیال ہے کہ اُسی کا ڈھنگ اور خیال درست اور صحیح ہے ؛

اگر تمام گروہوں کی نیکیوں اور بدیوں کی فہرست ہاتھ میں لیکر دیکھی جائے تو مقابلہ سے کاٹتے کاٹتے بہت ہی کم بہرہ جائیں گے۔ جو نیکی ایک گھر میں نیکی ہے وہ دوسرے میں بدی دکھائی گئی ہے جو ایک میں بدی ہے اُس کو دوسرے میں نیکی کے نام سے مانا جاتا ہے محض مانا ہی نہیں جاتا بلکہ اُس پر دلایل اور براہین کا بوجھ بھی لادا جاتا ہے اور بحثوں سے ثابت کیا جاتا ہے کہ صرف یہی نیکی اور یہی بدی ہے یا یوں کہا جائے کہ یورپ کی نیکیاں اور بدیاں اَور ہیں۔ اور ایشیا کی اَور۔ اور ہندولاء میں بدیاں اور نیکیاں اَور ہیں۔ اور محمڈن اور کرسچن لاء میں اَور۔ یہودیوں میں اَور پارسیوں میں اَور ناستک میں اَور بیسیوں میں اور ہیں۔ لنڈن کے بازاروں میں نیکیوں اور بدیوں کا کوئی اور رنگ ہے۔ اور جب ہم نیویارک اور جرمن میں جائیں تو ہم کو اور ہی رنگ سے ملتی ہیں۔ ہندوستان کی گلیوں میں اور الفاظ سے نیکی اور بدی کی منادی کی جاتی ہے اور ایران و توران میں اور الفاظ و دیگر لہجہ سے جب ہمیں دُنیا کے ایک ہی بازار میں دو دوکاں دار اکٹھے ہی نیکی اور بدی کا سودا کرتے ملتے ہیں تو دونوں کی تعریفیں اور رنگ جُدا جُدا ہوتا ہے ؛

ایک ہمیں کسی اور طرف لے جاتا ہے اور ایک کسی اور طرف پھر جب ہم مقابلہ کرتے ہیں تو اُس میں بھی دونوں کا تنازع ثابت ہوتا ہے جسے ایک نیکی کہتا ہے اُسے دوسرا بدی کے نام سے موسوم کرتا ہے اور جسے ایک بدی کہتا ہے وہ دوسرے کے سوال اور تحقیق میں نیکی ہے ؛

کیا اسی حالت میں کوئی متلاشی یا محقق آسانی اور سہولیت سے حقیقت الامر کا کوئی ناطق فیصلہ کر سکتا ہے یا اُسے اس امر کا علم کافی ہو سکتا ہے کہ یہ نیکی ہے اور یہ بدی

یا جس قدر قوانین اور اصول اس وقت دُنیا کے بازاروں میں نیکی اور بدی کی شناخت کے واسطے پائے جاتے ہیں وہ تمام کے تمام متفق ہو کر یہ کہہ سکتے ہیں کہ ہم بالاتفاق بلا کسی تنازع اور تردید کے اِن اِن اُمور اور اُن اُن خیالات کو نیکی اور بدی قرار دیتے ہیں یا ہم ایک نیکی کو دوسرے بازار میں اُسی حیثیت سے نیکی ثابت کر سکتے ہیں یا اس کو دوسری نگاہوں میں نیکی تسلیم کیا جائیگا۔ کبھی نہیں۔ اِن مختلف قوانین سے ہم بالاتفاق کسی صورت میں نیکی اور بدی کی شناخت یا کافی موازنہ نہیں کر سکتے اور نہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ دُنیا کے تمام قوانین ایک ہی راہ یا ایک ہی حیثیت سے نیکی اور بدی کو ثابت کرتے ہیں۔ اور نہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ مختلف شوارع اور منادد ہیں جس قدر نیکیاں یا بدیاں پائی جاتی ہیں وہ سب اصلی محوروں پر ہی قائم اور ثابت ہیں علے ہذا القیاس یہ بھی نہیں کہا جائیگا کہ ان سب شوارع اور طرق میں جس قدر نیکیاں یا بدیاں گشت کر رہی ہیں وہ سب کی سب ہی خلاف حقیقت اور خالی از صداقت ہیں۔ ہم مان لیں گے کہ اُن میں سے اکثر کا بہت سا حصہ حقیقتوں پر ہی محمول ہوگا اور ممکن ہے کہ اُن میں سے اکثر حصے ایک دوسرے کے ساتھ باوجود بعض مباحثوں و منافتوں کے متحد بھی ہوں اور اُن کا رخ مخالف دوکانوں اور گھرانوں میں یکساں ہی ہو ؂

اگر ہم نیکی اور بدی کی قسموں کو دیکھنا چاہیں تو ہمیں صرف اصول عامہ کے انبار سے ہی یہ لطائف کچھ فائدہ نہ دیگا۔ بلکہ اس تلاش میں ہمیں دُنیا کے مختلف گھرانوں اور مشرق منڈیوں کو دیکھنا ہوگا جہاں اور صورتوں میں نیکیاں اور بدیاں معرض تعلیم اور عالم تسلیم میں لائی جاتی ہیں اور جہاں پر ایک منادی جانب سے عیب اور ثواب کی منادی کی جاتی ہے ؂

دُنیا میں نیکی اور بدی کی تعریف کئی طور پر کی گئی ہے مذاہب۔ اقوام۔ ممالک فرق۔ خیالات اور اعتبارات کے اعتبار اور لحاظ پر نیکیوں اور بدیوں کو تعریف اور تقسیم کیا گیا ہے اور انہیں قسموں کے لحاظ سے ہر ایک شخص اور ہر ایک استاد کی گشت اور منادی ہے مذاہب اور اقوام نے ان تعریفوں اور ان تقسیموں میں ایک وافی اور کافی حصہ بحرہ لیا ہے۔ ہر ایک مذہب ہر ایک ملت میں نیکی اور بدی کی

شناخت اور موازنہ کے اُصول اور قاعدے جُدا جُدا رکھے گئے ہیں گو بعض امور اور بعض صورتوں میں کہیں کہیں اتحاد بھی ہو جاتا ہے مگر کثرت اور زور اختلاف کو ہی ہے۔
جو عمل ایک ملّت یا ایک مذہب میں نیکی یا بدی قرار دیا گیا ہے وہی دوسرے میں اُس کے برعکس سمجھا گیا ہے عموماً اطوار اور طرق کے اعتبار سے بہت فرق اور اختلاف کیا جاتا ہے اگرچہ نفس الامر میں ایک نیکی یا بدی ایک مذہب کی وہی ہے جو دوسرے مذہب و ملّت میں مرعی اور مسلّمہ ہے۔ مگر چونکہ طریق اظہار یا آثار اس کو فرق آگیا ہے۔ اس واسطے دوسرے فریق نے اس کو سلسلہ مکروہات میں شامل کرکے تردید کر دی ہے اور پھر یہاں تک نوبت آگئی کہ دونوں نے ایک دوسرے کے طریق عمل کو کمال نفرت اور حقارت سے دیکھنا شروع کیا اس وقت کل فرق مذہبی میں جو تخالف اور تضاد پایا جاتا ہے اُس کا اصلی باعث اور موجب یہی اختلاف طرق ہے۔ اگر اختلاف طرق کو واقعی سلامت روی سے ایک اعتباری غلطی یا اجتہاد تسلیم کیا جاتا تو اس قدر اختلاف کی صورتیں ظاہر ہوتیں اور نہ اس قدر جھگڑے پڑتے اُصول عامہ کے اعتبار اور لحاظ سے موجودہ مذاہب میں سے ہر ایک مذہب یا مذہبی فرد ایک ہی غرض اور ایک ہی علّت کی جانب عود اور دور کر رہا ہے۔ اگرچہ ایک مذہب خط استوا میں ہو اور دوسرا الیتا در کے کونوں میں۔ تب بھی اصول عامہ کے اعتبار سے ان کا میلان ایک ہی غرض یا ایک ہی علّت کی جانب ہوگا
سب ادیان میں اُصول عامہ کے اعتبار سے ایک علّت العلل کی طرف میلان اور رجوع کیا جاتا ہے اور اسی کی لگن اور لو میں چند مختلف طرق اور اصولوں کو مرعی اور مدّنظر رکھا گیا ہے یہاں تک تو سب کا اتحاد اور یکسوئی ہی ہے لیکن آگے چل کر جو طریقے اور ہدایتیں اُس لو یا لگن کی تکمیل کے بیان کئے گئے ہیں اُن میں خیالات اور اعتبارات کے لحاظ یا اعتبار سے گو فرق آگیا ہے اُس فرق اعتباری یا اجتہادی کے باعث آپس میں لوگ چھُری کٹاری ہو رہے ہیں اگر ہم صرف علّت العلل کے وجود کو ہی مقدم رکھ کر بحث کرنا چاہیں تو ایک بحث بھی باقی نہ رہے گی فیصلہ ہو جائیگا۔ لیکن اگر مختلف اجتہادات اور اعتبارات کو

کو ساتھ لے کر فیصلہ کی کوشش کریں گے تو رائیگاں اور فضول ثابت ہوگی کیونکہ ان
کوچوں اور ان شوارع میں ہمیں مختلف خیالات اور مختلف اعتبارات یا حقایق موجودہ
کا مقابلہ کرنا پڑے گا +

ہر ایک جاں اور ہر ایک دل اپنی جانب ہی کشش کر کے صداقت کی منادی
کریگا اور ہم اخیر پر حیران ہو کر خاموش ہو بیٹھیں گے اگر ہم اس بات کی آرزو کریں
کہ شوارع اور طرق مذہبی پہلے اصول علت العلل کی طرح ایک ہی پٹری پر آجائیں
تو یہ ایک شرم دلانے والی مساعی ثابت ہوگی - ممکن نہیں کہ دنیا کے میدان سے
اختلاف خیالات کی صورتیں معدوم ہو جائیں دو مذہب تو درکنار ہے اگر ایک مذہب
کو ہی غور کی نگاہوں سے دیکھا جائے تو اس میں بھی طرق اور اعتبارات کے اعتنا سے
سے صدہا اختلافات ہوں گے مذاہب سے اُتر کر اقوام کا نمبر ہے بہت سی یکساں اور
بہت سی بدیاں قوم کے اعتبار پر ہی تسلیم کی گئی ہیں گو قوم کے طریقوں کا اثر بہ نسبت
مذاہب کے کم ہے مگر اس میں بھی ایک حیرت دلانے والی کشش یا حدت ہے قومی
اعتبارات سے ایک نیکی نیکی اور ایک بدی بدی ہے لیکن اگر اُس کو دوسری قوم کے
پیش کیا جائے تو اُس کی کایا پلٹ ہو جاتی ہے یہ تفریق اور یہ اختلاف بھی اسی
خیال اور وجہ سے ناشی ہوا ہے کہ اصول عامہ کو چھوڑ دیا گیا ہے قومیت کا لحاظ
اور پاس گو ایک ضروری اور لابدی امر ہے اور ہر ایک قوم کا یہ فرض اور ایمان ہونا چاہیے
کہ اپنی قومیت کی بہبودی اور بہتری میں دل و جان سے ساعی ہو مگر انہیں حدود
میں یہ اختیار ہونا چاہیے کہ جو اصول عامہ کے مطابق ہیں - پاس قومی کے یہ معنے
اور یہ مطلب نہیں کہ ایک اصول عامہ کو جواب دے کر حقایق کا خون کیا جاوے
اگر ایک قوم میں غلط کاری سے ایک امر کو نیکی یا بدی تسلیم کیا گیا ہے اور اب اُس کی
اصلاح ہوتی ہے تو اس غلطی اور لغزش کو خوشی سے چھوڑ دینا لازم اور فرض ہے
دنیا میں جس قدر متفقہ نیکیاں اور بدیاں اس وقت پائی جاتی ہیں اُن کا اتحاد اور
اتفاق اسی طرح اور اسی اصول سے ہوا ہے گو ابتدا میں اسی حالت کے چھوڑنے سے
سے دل گھبراتا ہے مگر جب ثابت ہو جاتا ہے کہ ہمارا یہ عمل حقیقت کے منافی نہیں ہے

تو اُس وقت ماننا پڑتا ہے کہ ہماری ضد اور ریچ نامناسب اور ناموزوں تھی۔ اگر واقعی ایک دوسری طاقت دوسری قوم کی طرف سے ایک نیکی اور ایک بدی پیش کی جاتی ہے اور ہم پر یہ ثابت ہو چکا ہے کہ ہماری اختیاری طاقتیں اُس بارے میں صحیح اور درست نہ تھیں تو پھر کیوں نہیں بلاکسی اعتراض کے اُن شستہ صور کو قبول کیا جاتا اعتبارات اور خیالات کی حیثیت سے ہی نیکیوں اور بدیوں کا رنگ لگایا جاتا ہے جیسے ہمارے اعتبارات یا خیالات آپس میں مختلف ہیں ویسے ہی اُن کے ماحاصلات اور مفہومات بھی جُدا جُدا ہیں ہر ایک اعتبار یا ہر ایک خیال کے واسطے یہ ضروری اور لازمی نہیں کہ اُس کا ماحاصل یا مفہوم حقیقت کے مطابق ہی ہو۔ خیالات اور اعتبارات کی بنیاد ہمیشہ وسایل اور اسباب پر ہوا کرتی ہے اور پیر اُن صورتوں اور حالتوں پر جو انسان کو اضطرابی معاملات میں پیش آتی ہیں۔ انسان جس جلدی سے پیش آمدہ صورتوں اور اسباب سے فایدہ اور سودمندی اُٹھانا چاہتا ہے اس قدر اُنکی تشخیص اور تحقیق میں زور نہیں دیتا ہے انسان اس بات کو طبعاً پسند کرتا ہے کہ وہ ہر ایک معاملے میں خود ہی ایک متحد اور خود حاصل ثابت ہو اور جو بات یا جو عقیدہ یا جو رائے وہ معرض بیان میں لائے اُس کو ہر ایک محض تصدیق یا تسلیم کرے۔ جب انسان ایک دفعہ ایک رائے کو بیان کر چکتا ہے تو اُس وقت اُس کے دل میں ایک پیچ اور حمایت آجاتی ہے گو اُس کو اپنے خیالات کے مخالف کیسے ہی ثبوت ملیں مگر وہ اپنی ضد کو چھوڑنا اپنی تحقیر اور ذلت سمجھتا ہے ؛

یہ ہی صورتیں اور یہی کیفیات ہیں جو انسان کو اقبال حقایق اور راہ صداقت سے روکتی ہیں۔ یہی وجوہ ہیں جن سے انسان متعصب یا ضدی کہلا کر بھی باز نہیں آتا اگر یہ کہا جائے کہ انسان کو اس ردّی و بُری حالت کا علم کافی نہیں تو یہ بھی کسی قدر درست ہو گا۔ کیونکہ خود پسندی اور خود رائی کا حجاب ایک ایسا سخت حجاب ہے جو بعض وقتوں میں پُوری ظلمت اور کامل جہالت کا کام دیتا ہے ؛

جب ایک انسان کے دل میں یہ بات جم جاتی ہے کہ میں راستی اور حق پر ہوں اور میرے مقابلہ میں جو لوگ حق پر وہی اور حق پرستی کا دعویٰ کرتے ہیں وہ راستی اور حق پر نہیں

میں تو وہ بڑی بڑی دقتوں اور تکلیفوں سے معاملات کی تہ اور اصلیت پر عبور کرتا ہے
اُسے اگرچہ دلایل اور واقعات سے ہی کیوں نہ سمجھایا جائے مگر اُس کے دل سے وہ
خود پسندی کی ظلمت یا جہالت کسی حالت میں بھی دُور نہیں ہوتی اگرچہ کبھی کبھی اُس
پر حقیقت کا آفتاب روشن اور طالع بھی ہوتا ہے مگر وہ اُسے بھی ایک دھوکا سراب ہی
خیال کرتا ہے یہی حالت ہے جسے حکیموں نے جہل مرکب سے تعبیر کیا ہے ۔

[illegible] ضرورت کا خیال ہے انسان جو اجتہادات کرتا اور اُن کو عمل
میں لاتا ہے [illegible] ہی جو ایک اور قابل لعنت ہیں ضرورت ایک ایسی طاقت
ہے جو انسان کے دل اور خیالات پر بڑی سہولت سے حکومت کرسکتی ہے ۔ اگرچہ
انسان کیسا ہی قوی دل اور راسخ الاعتقاد ہو مگر ضرورت کا اثر اُس پر پڑ ہی جاتا ہے ۔

ضرورت کے وقت انسان محض [illegible] دلایل اور اسباب سے خواہ مخواہ اجتہادی
صورتیں نکال کر ایک الگ ہی رائے قائم کرلیتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ اُسی رائے پر پکا
ہو کر ایک عقیدہ بنا لیتا ہے ۔ اور پھر جب دیکھتا ہے کہ اُس کے مخالف کوئی اور شخص
کچھ اور کرتا ہے تو اُس کو نیکی یا بدی کے معانی سمجھتا ہے ۔ اگر ہم اسی قسم کی نیکیوں
اور بدیوں کی فہرست بنانے میں لگینگے تو ہم کو لاکھوں قسمیں معلوم ہونگی اور ہم حیران
ہونگے کہ اس قدر صورتیں کہاں سے نکل آئیں ۔

اس قسم کی صورتیں دراصل کوئی حیثیت اور کوئی حقیقت نہیں رکھتیں کیونکہ اُن
کا وجود صرف اضطراری ہی ہوتا ہے بسا اوقات رفع ضرورت پر اُن کا وجود ہی اُٹھ جاتا ہے
جو لوگ اُن کی تصدیق کرتے تھے وہی تکذیب پر آمادہ ہو کر باتوں میں اڑاتے ہیں ۔

نیکی اور بدی کا پیمانہ

جیسے اور ہر ایک طاقت یا ہر ایک شئے کے واسطے ایک وزن اور ایک پیمانہ ہے ایسے
ہی نیکی اور بدی کے واسطے بھی ایک پیمانہ ہے ہم دریافت کرتے ہیں کہ نیکی یا بدی کی
شناخت کیا ہے ہم کیونکر جانیں کہ یہ نیکی ہے اور یہ بدی ۔

اگر ہم دُنیا کی کشتوں اور حدبات پر خیال کریں تو ہمیں اس پیمانہ یا موازنہ کی تلاش

جب کوئی آدمی چوری یا رہزنی کرتا ہے تو اُس وقت خود وہی فعل اور حرکت اُس
کو اپنی بُرائی اور مذمت پر نوٹس دیتا اور منادی کرتا ہے انسان جانتا اور سمجھتا ہے کہ میرا
یہ فعل بُرا اور خراب ہے مگر نادم نہیں ہوتا جب انسان کسی دوسرے انسان کو مارتا اور زخمی
کرتا ہے۔ تو وہ مار اور وقت ہی اُس کو اپنی بُرائی اور ذلت پر آگاہ کرتی ہے۔ اور اُسے صاف
صاف معلوم اور ثابت ہو جاتا ہے کہ میں غلطی پر ہوں اور میرا یہ فعل اچھا نہیں مگر خاموشی
سے اُس غلطی، نوٹس اور منادی کو سُن کر فراموش کر دیتا ہے ۔

اُسی آن میں جبکہ ہم بُرا کام کرتے اور مرتکب ہوتے اور کرچکتے ہیں ہمارے دل میں ایک
ندامت آمیز تھرتھری پیدا ہو کر گدگدی سی ہوتی ہے لیکن ہم باوجود ایک جہالت اور
ندامت آمیز گدگدی کے صاف گذر جاتے ہیں یہی حال نیکی اور اچھائی کا ہے جب ہم
کوئی اچھا اور نیک کام کرتے ہیں تو اُس وقت ہمارا دل اور اُس کی قوتیں ہمیں اُس کی
عمدگی اور اچھائی پر آگاہ کرتی ہیں اور اُس آگاہی سے ہمارے دل و جان اور رگ
پٹھوں میں ایک نشاط اور فرحت سی پیدا ہوتی ہے جس سے ہمارا اندر قول و فعل پر اور
نیکی کرنے کا جوش اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر انسان ان ولولوں اور جوشوں اور
درگذر کر کے اسی الٰہی منادی اور ربانی تحریک سے کام لے تو اُس کے اخلاق اُس کو
کی ترقی کے واسطے ایک عمدہ سامان پیدا ہو جائیگا ۔

اور فعل یا خیال کے ساتھ جو اُس کے دل کے پردوں سے سرزد ہوتی اور ضمیر اور اس کی
آواز اندر سے اُس کو سنائی دیتی جس وقت اُس کو اُس پر مشق اور کامل پریکٹس ہو
جائیگی تو وہ ایک نگاہ میں ہی بُرائی اور اچھائی میں تمیز کر لیا کریگا ۔

صداقت کا ہر انسان کے دل میں ایک نور اور قوت تمیز ہے۔ جیسے آگ
لکڑیوں میں اور پتھروں میں کامن ہوتے ہیں جوں ہی اس نور اور قوت سے کوئی بُرا یا بھلا
امر چھو اور مس کرتا ہے ووں ہی اُس کو اُس کی حقیقت پر کچھ نہ کچھ آگاہی ہو جاتی ہے
اور اِس آگاہی کو انسان بعد میں جو سمجھتا اور پاتا ہے ۔

جن لوگوں کی ارواح اور قلوب خرافات دنیوی اور مشاغل ردیہ سے صاف اور
مبرا ہوتے ہیں اُن کی قوت ضمیری کمال صفائی سے ہر امر حقائق کی تہ پر آگاہ اور مطلع

ہوجاتی ہے۔ اِسی خاص حالت کو اعلیٰ حکمت اور ولایت یا قربت الی اللہ کہتے ہیں +

یہ اعتراض کیا جائیگا کہ کیوں بعض دِل خود ہی انسان کو بُرائیوں پر لگا کر نیکیوں سے دُور رکھتے ہیں کیا ان میں ایسی منادی کا جوش نہیں ہے۔ یہ سچ ہے مگر یہ کرتوتیں دل کی نہیں ہوتیں بلکہ اُس کا حدوث محض اس وجہ سے ہوتا ہے کہ قوت ضمیری اور نور قلبی میں ظلمت اور سیاہی دخیل ہوجاتی ہے اور دِل اُس حالت میں بُرے اور بھلے میں تمیز نہیں کرسکتا اور وہ ایک مصیبت میں گرفتار ہوکر اندھا اور بہرہ اور گونگا ہوجاتا ہے نہ سُنتا ہے نہ سناتا ہے اُس حالت کا نام صُمٌّ بُكْمٌ عُمْیٌ فَهُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ ہے۔

یہی حالت ہے جس سے بڑے بڑے حکیموں اور فلاسفروں اور اہل اللہ کو رحیوں سے پناہ مانگی ہے یہی حالت ہے جس سے تمام سمجھنے والوں کے دل اور سوچنے والوں کی روح اور غور کرنے والوں کے دماغ لرزتے اور کانپتے ہیں یہی حالت ہے جو انسان کو اس دُنیا اور آنے والی آخرت میں اعمیٰ بناتی ہے۔ یہی حالت ہے جس سے انسان اندھا اور بہرہ ہوجاتا ہے اور اُن کو یہ نہیں سوجھتا کہ میں کیا بناتا اور کیا کرتا ہوں اور نہ مجھے کیا کرنا چاہیئے +

ایسی تاریک اور ظلمات کی حالت میں دِل انسان کیا منادی کرسکتا ہے اور اُس کی آگاہی کیا کام دے سکتی ہے اگر ایک شخص کی آنکھوں پر پٹی باندھ کر رستہ پوچھا جائے تو کیا جواب دیگا +

نیکی اور بدی کا محل

اگرچہ یہ عام حکم ہے اور اِسی پر اخلاقی قوانین کا رو رہے کہ بدی سے ہر ایک وقت بچا جائے اور نیکی ہر وقت کی جائے لیکن ہم کو دُنیا کے کاروبار اور نشیب و فراز یہ بھی سکھاتے ہیں کہ بعض صورتوں میں اِن کا محل اور موقع بھی دیکھنا پڑتا ہے +

اگرچہ ایک نیکی نیکی ہے مگر بعض صورتوں میں وہ بدی کا اثر بھی رکھتی ہے یہ انقلاب اور کایا پلٹ صرف اس واسطے ہوتی ہے کہ ابھی اِس کا موقع اور محل نہیں تھا اگر موقع پر ہوتی تو نہ انقلاب اور کایا پلٹ نہ ہوتی +

سے ساتھ اس قسم کے مراعات کا لحاظ رکھنا نظام عالم اور خود اُس کے واسطے سخت ناموزوں
اور نامناسب ہے۔ نظام عالم کی ضرورتیں اجازت نہیں دیتیں کہ ایسے نافرمان اور جرائم
پیشہ لوگوں کے ساتھ اس قسم کے سلوک مرعی رکھے جائیں ۔

جس طرح ایک نیکی کے واسطے وقت اور محل یا ضرورت موجود ہو سکتی ہے اسی طرح
ایک بدی کے واسطے بھی یہ صورتیں موجود ہو سکتی ہیں بعض وقت اور بعض صورتوں
میں گو بدی کا عمل موردِ ملامت ہوتا ہے مگر وقت اور ضرورت اُس کی اجازت نہیں دیتی ۔
ایک بڑے باغی کو قتل کرنا ضروری ہوتا ہے تاکہ آیندہ کے لئے شورشوں کی صفائی
ہو مگر جب دیکھا جاتا ہے کہ اُس کے سزا دینے سے فتنہ اور شورش کی آگ اور بھی مشتعل ہوگی
تو اُس کو انعام دے کر چھوڑ دیا جاتا ہے ایسے وقتوں میں دیکھنے والے آیندہ کی صورتوں
اور کامیابیوں اور ناکامیوں کو مدِ نظر رکھ کے عمل کرتے ہیں۔ ایسے عملوں سے ظاہر بیں اور
سہل مزاج لوگ بڑی جلدی اور تیزی سے نکتہ چینی پر تیار ہو جاتے ہیں مگر اُن کو سوچنا چاہئے
کہ معاملات کی صورت کیا تھی موجودہ بدی اور آیندہ کی خرابیوں کے مقابلے سے ساری
صورت کھل جائے گی ۔

قبل اس کے کہ ہم کسی نیکی اور بدی پر [illegible] کے لحاظ سے اعتراض کریں ہم کو
یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کا موقع اور محل کیا تھا اور اُس وقت کی حالت کیا تھی ۔

نیکی اور بدی کی مدارج

اگرچہ ہر ایک نیکی [illegible] اور ہر ایک بدی بدی ہے مگر [illegible] اُن کے درجے اور حصے ہیں کوئی نیکی
[illegible] اور کوئی کسی کی نسبت [illegible] اور کسی کا کوئی [illegible]
[illegible] بدی کا عمل [illegible] لیکن جیسے [illegible] نیکی اور بدی کا [illegible] ہوتا ہے [illegible]
[illegible] یہ تفصیل بالتفصیل [illegible]
[illegible] کی ضرورت ہے کہ [illegible] نیکی اور [illegible]
[illegible] جو تعریف نیکی اور [illegible] دی گئی ہے اس [illegible]
[illegible] بڑی نیکی چھوٹی نیکی اور بدی [illegible] کیا [illegible]

کہ بعض وقت بعض لوگ نیکی اور بدی کی اقل مقداروں کو خیال میں لا کر عمل سے رہ جاتے
یا ادنیٰ عمل کر دیتے ہیں جس سے سود مندی کو عظیم رخنہ پہنچتا ہے ❖

اس خیال سے ایک ادنیٰ نیکی کا نہ کرنا کہ اس کا درجہ کم ہے اور ایک چھوٹی بدی
کا کرنا کہ وہ ایک چھوٹا اور کم درجہ رکھتی ہے ایک سخت غلطی ہے۔ اگرچہ کوئی نیکی کسی
چھوٹی مقدار یا کم افادہ کی کیوں نہ ہو مگر اس میں کیا شک اور شبہ ہے کہ اُس سے افادہ
ضرور ہوگا اور اُس کی نظام عالم میں ضرورت ہے۔ اگر ہم غور کو وسعت دینگے تو ثابت
ہو جائیگا کہ عموماً نیکیوں کا سلسلہ چھوٹی مقداروں سے ہی شروع ہو کر بڑی مقدار تک پہنچتا ہے
اور اکثر لوگ چھوٹی مقدار کو ہی ادا کر سکتے اور عمل میں لا سکتے ہیں اور مخلوق کے ایک بڑے
حصہ کو اُنہیں کی زیادہ تر ضرورت ہے ❖

اگر اس خیال سے کہ ان مقداروں کی ضرورت نہیں پہلوتہی کی جائے تو سخت غلطی
ہوگی اور اس طریق عمل سے نہ صرف [illegible] کے فائدوں کو سخت نقصان پہنچا [illegible]
کی کیسی ہی چھوٹی مقدار ہو ہر حال میں وہ اس قابل ہے کہ مخلوق [illegible] اس کو [illegible]
[illegible] اور خیال [illegible] کا شمار کیا ہوگا ایک [illegible] والا [illegible]
ہے جہاں ان امور کا شمار [illegible] کہا جاتا ہے وہاں [illegible]
[illegible] کام کرنے [illegible] یا چھوٹے
[illegible] لوگ بہت [illegible] اس امر سے صاف صاف [illegible]
اور ثابت ہو جائیگا کہ [illegible] مقداروں کو بہت [illegible] لوگ حاصل کر سکتے ہیں
ہزار روپیہ کسی غریب کو کوئی امیر [illegible] خیرات کر سکتا ہے لیکن ایک ایک روپیہ
بہت لوگ دے سکتے ہیں [illegible] روپیہ [illegible] والا [illegible] کوئی ہوگا مگر
ایک ایک پیسہ بہت ہی [illegible] ہزار روپیہ کے دینے سے ایک گھر کا [illegible]
لیکن ایک پیسہ کے دینے سے کسی کو [illegible] ہوگی اگر یہ خیال کیا جاوے [illegible]
روپیہ نہ ہوگا تب تک ہم [illegible] خیرات کرنے کے قابل نہیں ہیں۔ ایک [illegible] غلطی
اور [illegible] ہوگا [illegible] ضرورت [illegible] اس شرط [illegible]
[illegible]

اگر کسی غریب اور محتاج کو ہزار آدمی ایک ایک پیسہ محبت سے دیگا تو کیا اسے پھر
بھی کسی امیر کے دروازہ پر جانے کی ضرورت باقی رہ جائے گی ÷

قومی فنڈوں میں ہمیشہ اس امر کو ملحوظ رکھا گیا ہے کہ عام لوگ ان میں شامل ہوں
کیونکہ اس بات کو تجربہ سے مان لیا گیا ہے کہ چھوٹی چھوٹی رقموں اور عام اشخاص کے
استقلال سے ایک مضبوط اور لازوال فنڈ قائم ہو سکتا ہے۔ زیادہ دولتمندی اور اقبال
کا کوئی اعتبار نہیں مگر عام حالتوں کے لوگ اور دل اور دماغ ہمیشہ دنیا میں کثرت سے
موجود رہتے ہیں۔ ایک زورآور ہاتھ ایک بڑے بوجھ کو نہیں اٹھا سکتا لیکن بہت سے
کمزور ہاتھ ہزاروں من بوجھ آسانی سے اٹھا اور لے جا سکتے ہیں ایک لمبی تلوار اس
قدر کام نہیں دیتی جس قدر چھوٹی چھوٹی بہت تلواریں مختلف ہاتھوں میں کام دیتی ہیں ÷

ایک زودنویس ہاتھ اس قدر نہیں لکھ سکتا جس قدر بہت لکھنے والے دھیمے ہاتھ
لکھ سکتے ہیں۔ ایک دولتمند کا دسترخوان اس قدر کام نہیں دیتا جس قدر دس متوسط
درجہ یا غریبوں کے دسترخوانوں سے نکلتا ہے ÷

ایک بلند آواز شور نہیں کہی جا سکتی لیکن دس دھیمی آوازیں شور ثابت ہوگی وہ
دریا جو ہمیشہ نہیں بہتا بسبب اس چھوٹے نالے کے جو وقت پر اور ہمیشہ زمینوں کو
سیراب کرتا ہے کم فائدہ دینے والا نہیں ہے ایک ہاتھ چھوٹے سے برتن کو بھی جلدی
سے پُر نہیں کر سکتا مگر دس ہاتھ ایک بڑے کنوئیں کو پُر کر سکتے ہیں۔ بڑی حیثیتیں اسی وقت
ہوتی ہیں کہ جب چھوٹی حیثیتوں کا وجود ہوتا ہے جو چھوٹا نہیں وہ بڑا کب ہوگا ÷

ذرّات سے ہی وجود بنتا ہے اور انہیں سے انسانی ہستی کی ابتدا ہوئی ہے۔ جو
چھوٹی باتوں پر لحاظ نہیں کرتا وہ بڑے واقعات اور بڑی باتوں کو خود کھوتا اور برباد
کر دیتا ہے۔ جو ابتدا پر نظر نہیں ڈالتا وہ انتہا کی خبر نہیں پا سکتا ÷

ایک حکیم کہتا ہے کہ جو شخص چھوٹی باتوں اور چھوٹی فروگذاشتوں پر نظر نہیں کرتا
وہ بڑی حقیقتوں کو رائیگاں دیتا ہے ÷

جیسے نیکی کی نسبت غلط فہمی واقع ہو چکی ہے ایسی ہی بدی کی نسبت بھی مقدار کے
اعتبار پر غلطیاں پائی جاتی ہیں عموماً یہ خیال کیا جاتا ہے کہ چھوٹی اور کم مقدار کی بدی

کیا حقیقت اور کیا بُرائی رکھتی ہے۔ اسی غلط فہمی سے دُنیا اور انسانی گروہوں میں بدیوں
اور بُرائیوں کی کثرت ہوتی جاتی ہے یہی کم فہمی ہے جسنے دُنیا کی چاردیواری میں مختلف
بدیوں اور بُرائیوں کا وجود پیدا کیا ہے یہی خیال ہے کہ جس نے اخلاقی قوانین کا زور
سے مقابلہ کیا ہے جب انسان کے دل میں یہ انوکھا خیال جاگزین اور متمکن ہو جاتا ہے
کہ چھوٹی بدی یا کم مقدار کی بُرائی کیا اثر پیدا کر سکتی ہے تو اُس وقت اُس کی عادت میں
ایک ایسی جرأت پیدا ہو جاتی ہے کہ جس سے وہ رفتہ رفتہ بڑی بڑی بدیوں اور برائیوں
کو بھی چھوٹی مقداروں میں داخل کرتا ہے اور اُس کی نگاہوں میں بڑی بڑی بدیاں
بھی معمولی سا اثر ہی رکھتی ہیں یہاں تک کہ اُس کی نگاہوں میں سنگین جرائم بھی معمولی
جرموں میں گنے جاتے ہیں۔ جو پیسہ ابتدا میں چھوٹی چھوٹی چوریاں محض ایک دل لگی
کے طور پر شروع کرتا ہے اور پھر اپنے دل سے سمجھیا قرار کرتا ہے کہ پھر اس ارتکاب
نہیں ہوگا۔ لیکن چھوٹی مقدار اس دوسری دفعہ بھی ارتکاب پر آمادہ کر دیتی ہیں۔
یہاں تک کہ پھر ایک پکا اور بڑا چور ہو جاتا ہے پہلے خوردہ بینی کے طور پر عملی
کرتا ہے لیکن رفتہ رفتہ یہی اور عارضی عادت طبیعت میں ایسی جم جاتی ہے کہ پھر اُسے
ترک کرنا ایسی ہی مصیبت لاتا ہے جیسے ایک افیونی پر افیون کا ایک برائی عادت کو
یکدم ترک کرنا آفت برپا کر دیتا ہے۔ جب انسان چھوٹی بدیوں کا مرتکب ہوتا ہے تو گویا
رفتہ رفتہ اُس کی طبیعت اور دل اس امر پر آمادہ اور مستعد ہو جاتا ہے کہ ہر ایک بدی اگر
چہ کسی مقدار کی ہو کوئی بڑا اور عظیم اثر نہیں رکھتی ہے۔ جو شخص ایک پیسہ کی چوری سے ہزاروں
روپیہ کی چوری تک کا مرتکب ہوتا ہے وہ دونوں کو معمولی سمجھتا ہے۔ اگر ہم چوروں
اور جعل چوروں یا دوسرے جرائم پیشوں کی ہسٹریوں کو دیکھیں گے تو ہم کو ثابت ہو
جائیگا کہ اُن کی ابتدا بہت ہی سادہ واقعات کو شامل تھی۔ رفتہ رفتہ اُنکے حوصلوں
اور بُری ہمتوں میں ترقی پیدا ہوتی گئی۔ اگر وہ لوگ بدو اور شروع میں ہی اُن کم مقدار
بدیوں کو بھی ایک بڑی مقدار اور عظیم الاثر خیال کرتے تو یقیناً اُن کو ایک نامی بدمعاش
یا مشہور بدرویہ نہ کہلانا پڑتا۔

جب انسان شراب نوشی وغیرہ شروع کرتا ہے تو اُس کی ابتدا تفریح کے نام سے

مقدرت کے ساتھ بچیں۔ اگر ان کم مقدار اور کم درجہ کی برائیوں سے ہم نے اجتناب کامل حاصل کر لیا تو پھر ہم کو آگے بڑھنے کا بھی شوق رہیگا۔ ہر ایک سمجھدار انسان کو ابتدائی مادوں سے ہی محفوظ رہنے کی کوشش کرنی چاہئیے۔ ایک گھر کے جلانے کے واسطے آگ کی بڑی مقدار کی ضرورت نہیں بلکہ صرف ایک چنگاری یا ایک تیلی ہی کافی ہے اگر ایک تیلی یا ایک چنگاری سے انسان محفوظ رہنے کوشش کرے تو ایک بڑی مقدار اور شعلہ سے بھی محفوظ رہیگا۔ لیکن جو کم سمجھ ایک چنگاری اور ایک تیلی کی پرواہ نہیں کرتا وہ در اصل ایک بڑی مقدار اور ایک شعلہ کی خواہش رکھتا ہے ؛

نیکی اور بدی کا مشروط ہونا

لوگوں نے نیکی اور بدی کو مشروط بھی کر رکھا ہے اِس کا مطلب یہ ہے کہ بعض وقت ایک نیکی اسواسطے نہیں کی جاتی کہ شرط موجود نہیں اور ایک بدی اس لحاظ سے کی جاتی ہے کہ شرط موجود ہے۔ یہ اصول اخلاقی قوانین کے خلاف ہے۔ اخلاقی قوانین میں نیکی اور بدی کے واسطے وقت اور ایک محل ضرور قرار دیا گیا ہے۔ مگر اُس کو محل کے اعتبار سے مشروط نہیں کیا گیا ؛

ہاں محل کا افضل اور اسفل ہونا یا رکھنا ایک دوسرا امر ہے یعنی اگر ایک نیکی اور بدی کے واسطے دو محل موجود ہوں تو اُس وقت اعلیٰ محل کو ہی ضرور منتخب کیا جائیگا مگر یہ نہیں کہ بلا خیال حقیقت اور کمی کے کسی نیکی یا بدی کو مشروط کیا جاوے بعض لوگ سخاوت ضرور کرتے ہیں مگر اس شرط سے کہ اپنے ہی فرقہ والوں کو دی جائیگی اگر یہ خیال اس جہت سے ہو کہ ایسوں ہی کا سب سے فائق حق ہے تب تو وہ درست ہوگا اگر اس میں یہ پیچ لگادی جائے گی کہ سوا اُن کے اور لوگ داد دہش کے حقدار نہیں ہیں تو یہ ایک تنگ نظری کی علامت ہے ؛

بیشک اول خویش بعد درویش مگر یہ اس خیال سے کہ درویشوں کا کوئی حق ہی نہیں۔ ایک ہمدرد بلاشک ہمدردی کو دے لیکن اگر اُس کے ساتھ یہ شرط بھی اضافہ کردے کہ مسلمانوں یا عیسائیوں اور یہودیوں کو دینا ہی جایز نہیں تو یہ اُس کی

کچھ بھی اور غلط کاری پر دال ہے بلکہ اس امر اگر ایک مسلمان یا عیسائی اور یہودی
ہندوؤں کی نسبت ایسا تنگ خیال رکھے تو اُس کی کمی حماقت اور جہالت ہے نیکی
اور بدی نے اپنے وجود کو کسی فرد اور کسی قوم سے مخصوص اور مقید نہیں کیا ہے اُس
کے واسطے ہر ایک میدان دوڑ کے قابل ہے وہ ہر ایک سطح میں ملمع پیدا ریاں
کرسکتی ہے جو شخص نیکی یا بدی کو اپنے تنگ خیالات کی سبب سے محدود کرتا ہے
وہ نیکی یا بدی کو بدنام کرنے کی کوشش کرتا ہے اور اُس کو نیکی اور بدی کے مفہوم سے
اصلاً آگاہی اور خبر نہیں اگر وہ اُس کے مفہوم سے واقف ہوتا تو کسی صورت میں کبھی
ایسی بیہودہ کرتا ۔

نیکی اور بدی کا مطلب ایک ہی ہے اور اس دوئی کی گنجائش نہیں جو نیکی ایک
ہندو کے واسطے نیکی ہے وہ ہی ایک مسلمان اور عیسائی کے لئے نیکی ہے جس بدی
سے ایک مسلمان یا عیسائی واقف ہو گیا ہے وہی ایک ہندو کو مستقیم رحم پہنچا سکتی
ہے اگر ہندوستان کی سرزمین میں نیکی کا ثواب اور بدی کا بدلا دیا جاویگا تو یورپ
اور عرب کی سرزمین کو کسی ضروری معاملے کا اُمیدوار رہنا چاہیئے ۔

نیکی اور بدی کا اقرار اور سچا صدمہ ایک ہی طرف سے مخصوص کر لینا
نیکی کی ذلت کرنا اور ان کو سمجھ [illegible] نیکی کا معاوضہ یا ثواب اور بدی
کا بدلا یا ثواب اور بدی کا بدلا یا عذاب ایک الہی طاقت کے متعلق ہے جو اپنے
قوانین کی پوری پاس سے یعنی عین حکمت سے فیصلہ دیتی ہے اس سے اتر کر اخلاقی
قوانین اور منتظم بادشاہوں کی جانب سے بھی نیکی اور بدی کا عوض دیا جاتا ہے اور خود انسان
کا دل بھی اُس سے مطالبہ اور باز پرس کرتا اور خوشخبری دیتا ہے ۔

پس جب کہ نیکی اور بدی کا عوض یا بدلہ دیا جاویگا اور اُن کا حساب کتاب ہوتا
ہے تو پھر اس بات کا کیا خدشہ اور کیا شک ہے کہ اگر فلاں سے نیکی کی جاوے گی تو
اُس کا اجر ملے گا اور فلاں سے کی جائے گی تو نہیں ملے گا۔ اگر فلاں سے بدی کا عمل
کیا جائیگا تو اُس کی سزا کا خوف ہے اگر فلاں سے بدی کریں گے تو بجائے سزا اور
سرزنش کے خوشنودی کی اُمید ہے۔ جب ہر ایک حالت میں سزا اور جزا کی اُمید

کاہل ہے تو پھر نیکی یا بدی کو مشروط کرنا سخت غلطی ہے +

جیسے نیکی صاف اور بدی ناصاف ہے ایسے ہی انسان کا دل نیکی کے وقت بالکل صاف اور وسیع اور صاف ہونا چاہئے اور آب باراں کی طرح ہر ایک موقع پر برسنا لازم سمجھے۔ دیکھو آب باراں کو کبھی صاف ستھری جگہ پر یا کثیف جگہ کے مقابلے میں برسنے سے دریغ نہیں ہوتا اور بدی کے وقت ہمیشہ دل کو تنگ اور قاصر رکھنا چاہئے حتی الامکان ہر ایک موافق اور غیر موافق موقع سے اعتناب کیا جائے جیسے ایک موافق شخص کو نیکی کی سودمندی اور بدی کی مضرت سر کرتی ہے ایسے ہی ایک غیر موافق سے ان دونوں حالتوں کا عمل ہے۔ بات کہ ایک جانب نیکی کا شکریہ ادا کیا جاتا ہے اور دوسری جانب سے بدی پر صبر ہوتا ہے ایک تھوڑا خیال ہے اور اس خیال سے کسی صورت میں نیکی اور بدی کو محدود اور مشروط نہیں کیا جا سکتا ہے +

نیکی اور بدی میں توقف

جب انسان ایک امر کو کرنا یا نہ کرنا چاہتا ہے تو اُس کو پیش آمدہ لواحقات یا اسباب کی وجہ سے وقفہ اور دیر بھی کرنی پڑتی ہے اور بعض اوقات دیر اور وقفہ کی بجائے جلدی عمل میں لائی جاتی ہے یہ دونوں عمل ہر وقت انسان کے گاہ گاہ اور حامل رہتے ہیں۔ مختلف اسباب اور وسایل کا انسان کو گھیرے رکھنا ایک لازمی امر ہے خصوصی اضطراری حالتوں میں تو ان کا ثبوت بہت ہی عملاً اور روز مرہ ہوتا ہے۔ اگرچہ اُس وقت انسان انسانیت سے تو باہر نہیں ہوتا مگر، بدالرائے ضرور ہو جاتا ہے۔ ایسے وقتوں میں انسان نیکی سے ہٹ کر جاموشی کو سیاست سمجھتا ہے اور بدی کرنے میں جلدبازی سے کام لیتا ہے اور جب وقت ہاتھ سے نکل جاتا ہے تو پھر بجائے خوشی کے حسرت اور ناخوشی ہوتی ہے +

حکیموں نے کہا ہے کہ نیکی کرنے میں مطلقاً وقفہ اور دیری کو روا نہ رکھا جائے بدی کی صورت میں جہاں تک ہو سکے دیر اور وقفہ کیا جائے کیونکہ نیکی کی حالت میں اگر

جلدی ہوگی تو اُس کا کچھ نقص اور مضرت ظاہر نہیں ہوگی۔ لیکن بدی اور برائی کا انشاء جلدی سے غیر ہوگیا تو پھر معاملہ ہمیشہ کے واسطے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور وہ ندامت ہوگی جس کا علاج اپنے ہاتھ نہیں رہے گا ٭

اگر نیکی کبھی غیر محل پر بھی کی جائے تو اسکو ہم واپس بھی لے سکتے ہیں لیکن اگر بدی جلدی سے کی جاوے تو وہ کسی صورت میں بھی باوجود ندامت اور کوشش کے واپس نہیں ہوسکتی

بدی ایک گولی چلانا ہے جو اگر لگ گئی تو دوسرے کو جیت کرکے رہ گئے اور اگر نہ لگی تو چلانے والا اوروں کی نگاہوں میں ہمیشہ کے لئے ایک مدعیٰ اور بدنام مشہور ہو جائیگا ہم ایک نیکی کا تو معاوضہ کمی اور بیشی میں کر بھی سکتے ہیں مگر بدی کی صورت میں کوئی معاوضہ اور ادل بدل نہیں ہوسکتا اگر ایک شخص کو ایک روپیہ دیا جاوے تو اُس کو اور دس بھی دے جاسکتے ہیں لیکن اگر ایک غریب کو گالی دی جائے تو گو اُس کو بعد میں سو روپیہ بھی کیوں نہ دیا جائے اور اُس کو راضی بھی کر لیا جائے مگر وہ ہمیت اور مضرت جو گالی سے پیدا ہو کر عالم میں منتشر ہوتی ہے کبھی زایل اور دُور نہ ہوگی۔ اس کے نقص سے ضرور ہی بداخلاقی کی وبا پھیلے گی۔ اگرچہ ہم بدی کرنے کے بعد کیسا ہی تریاق کام میں کیوں نہ لائیں مگر اُس ہمیت کے آثار کبھی زایل نہوں گے ٭

فلاسفروں نے کہا ہے کہ نیکی ایک خوشبو ہے اور بدی ایک سڑن ہے۔ نیکی عمل کے بعد مہک پیدا کرتی ہے اور بدی ایک سڑن اور تعفن ٭

وہ لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ جو بدی کرنے میں تھوڑا سا تامل بھی نہیں کرتے اگر وہ تھوڑا سا تامل کیا کریں تو انہیں اُن کا دل ہی بتادیگا کہ یہ عمل اور یہ کرتوت درست نہیں ہے اگرچہ یہ کہا گیا ہے کہ نیکی اور بدی کے وقفے یا جلد بازی پر غور کر لینا لازمی اور لابدی ہے مگر دانا دل اور مدبروں نے اس امر کو بھی ظاہر کردیا ہے کہ بعض اوقات نیکی کرنے میں بھی وقفہ کی ضرورت پڑتی ہے اور علیٰ ہذا القیاس بدی کے عمل میں جلدی کو بھی کام میں لانا پڑتا ہے اگرچہ اِس امر کو روراور دلایل سے مان لیا گیا ہے کہ بہر صورت اور بہر حالت نیکی میں جلدی اور بدی میں تاخیر اور دیر کرنا چاہئے۔ مگر جن لوگوں نے ضرورتاً نظام عالم کو غور کی نگاہوں سے مطالعہ کیا ہے۔ اُنہوں نے یہ رائے بھی ضرورتاً ظاہر کردی ہے

کہ اکثر موقع ایسے پیش آجاتے ہیں کہ جن میں نیکی میں بھی بعض ضروریات کے سبب وقفہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ اگر بر طبق اسی اصول عام کے اس حالت میں مناسب وقفہ کیا جاوے تو وہ نیکی ایک دوسرے شخص کے حق میں ایک بدی کا اثر پیدا کرے گی۔ ایک طالبعلم یا چھوٹے بچے کو آزادی دینا ایک نیکی ہے لیکن اگر اسمیں وقفہ نہ کیا جاوے تو وہی نیک عمل اس کے حق میں سم قاتل ثابت ہوگا۔ ایک دیوانہ یا مخبوط الحواس آدمی یا ایک سادہ لوح حکمران کو اس کا اینار روپیہ یا ملک اور حکومت تفویض کی جا سکتی ہے لیکن اس تفویض سے بجائے نیکی کے سینکڑوں مضار اور نقص ثابت ہو کر اس کے حق میں معیوب اور زہر قاتل ثابت ہونگے +

بدی میں ضرور اور ہمیشہ دیر یا وقفہ کرنا نہایت ہی زیبا اور مناسب ہے مگر بعض ضروری صورتوں میں بجائے ایک دیر اور وقفہ کے جلد باری کرنی پڑے گی اگر جلدی نہ کی جاوے تو اور بھی بد اثر ظاہر ہونگے ایک خشک شدہ ہاتھ یا سڑ گلا ہوا حصہ جو خشک ہوتی جاتی ہو کاٹنا ایک بیرحمی اور سنگدلی ہے لیکن جب یہ دیکھا جاتا ہے کہ وہ ردی مادہ دوسرے اعضا اور جسم کو بھی خشک کر دیگا تو پھر اسی میں مصلحت ہے کہ فوراً موجودہ مادہ کو دور کیا جائے +

طمع اور حرص نفسانی سے ایک گورنمنٹ کا دوسرے ملکوں پر چڑھائی اور یورش کرکے لاکھوں ہزاروں بندگان خدا کی جانوں کو معرض اتلاف اور ہلاکت میں ڈالنا ایک سخت برائی ہے مگر جب وہ لوگ امن اور آسایش میں خلل انداز ہوں یا اس ملک میں لوگوں پر مظالم اور مفاصد ہوتے ہوں تو پھر ایسے کشت و خون کو جایز نہ رکھنا سو بدیوں کی ایک بدی ہے۔ ایسے وقت میں یہ لازم اور واجب ہے کہ اس خون و خرابہ کو ہی جایز رکھ کر گہرے مظالم اور مفاسد سے مخلوق الہی کو رہائی دلائی جائے۔ بہت سی بدیاں اور برائیاں اس قسم کی ہیں کہ انکا وجود بالمقابل اور بدیوں اور برائیوں کے مقابلہ ”سیئت“ اور مضرت میں کم درجہ کا ہے یہ ممکن ہے کہ ایک کم درجہ کی بدی سے جو ہم کو اسی نظام عالم کی ضرورتوں کے سبب کرنی پڑے گی۔ ہم ایک بڑی اور عظیم الاثر برائی خواہ بدی سے محفوظ رہیں۔ جن لوگوں سے نظام

کی جاتی ہے۔ اور عمدہ اصول یہی ہے کہ حتی الامکان دیر اور تاخیر کی جاوے۔ مگر بعض وقتوں میں لازمی ہو جاتا ہے کہ بدی کا عمل فوراً کیا جاوے اور بعض اوقات بدی کو کسی اور وقت پر چھوڑنا پڑتا ہے۔ گویا ایک سزا کا دینا ضروری ہے اور ایک شخص اسی قابل ہے کہ اس کے ساتھ ضرورتاً بدی کی جاوے مگر وقت اجازت نہیں دیتا۔ کہ ایسا کیا جاوے۔ کیونکہ اس صورت میں اور کمینوں کے اکٹھے کا اندیشہ خطر خاطر رہتا ہے۔ جہاں نیکی اور بدی کی شناخت ضروری ہے وہاں اوقات شناسی بھی ضروری ہے۔ اس سے ایک بڑا فائدہ اور سود ہوگا کہ ہمیں بعض نکتہ چیزوں کی حقیقت معلوم ہو جاوے گی۔ اور ہم وقت شناسی سے بعض درست یا غلط خیالات کی تعمیر کر سکیں گے ؛

ہم جو بعض وقت یہ اعتراض کر بیٹھتے ہیں کہ ہم سے فلاں نیکی نہیں کی گئی یا فلاں بدی کیوں کی گئی۔ تو اس کا سبب یہی ہوا کرتا ہے کہ ہم نے وقت پر غور نہیں کی ؛

نیکی اور بدی کی ضرورت

نظام عالم کو ہر ایک شئے اور ہر ایک امر کی ضرورت ہے اگر شیرینی کی ضرورت ہے تو کڑواہٹ بھی مانگا جائیگا۔ اگر سرد ہوا کی ضرورت ہے تو گرم کی بھی سخت حاجت پڑیگی اگر نیکی کا وجود محبوب ہے تو بدی کو بھی کسی وقت پیار کیا جاویگا قطع نظر اس ضرورت کے اچھی شئے کی قدر اور مانگ بھی اس وقت ہوتی ہے کہ جب مقابلہ میں بُری حالت موجود ہو۔ اگر بدصورت لوگ نہ ہوں تو خوبصورت اور حسین کی کون قدر کرے۔ اگر یوسف علیہ السلام کے مقابلہ میں بدصورت نہ ہوتے تو یوسف علیہ السلام کی بازار میں خرید فروخت کی کیا قدر ہوتی۔ ان بدصورت اور بھدی شکل والوں نے ہی تو یوسف علیہ السلام کو آج تک رشک ماہ منار کرتا ہے۔ انصاف اور عدالت کی اس حالت میں قدر اور پرستش ہوتی ہے کہ جب دنیا کی چار دیواری میں بے انصافی اور ظلم کے آثار بھی پائے جاتے ہوں ؛

کون کہتا ہے کہ ہم کو بدی کی ضرورت نہیں یا اس نظام عالم میں برائیوں و بدیوں

سے کام نہیں نکلتا یا کس کا مدعا ہے کہ نیکی اچھی شے نہیں اُس کی ضرورت اور مانگ نہیں
نہیں ان دونوں کی ضرورت ہے یہ جُدا امات ہے کہ بدی کے نوشتوں میں سم قاتل کی
طرح ہیبتہ بدی ہی لکھی ہے مگر اس میں کیا کلام ہے کہ سم قاتل کی بھی نظام عالم میں ضرورت
ہے۔ سم قاتل بھی کسی وقت آبحیات کا کام دے جاتا ہے نیکی کی ضرورتوں کو تو ایک
جاہل بھی جان سکتا ہے تشریح مزید کی ضرورت نہیں۔ دنیا کی اس چار دیواری میں
جس قدر گھر اسے بستے اور بود و باش رکھتے ہیں اُن سب کی حالت یکساں نہیں ہے
اور ایک دوسرے سے عبا حاصل ہے۔ جیسے ایک زنجیر کی کنڈیاں آپس میں ملکر زنجیر
کا نام پیدا کرتی ہیں ایسے ہی اس سلسلہ عالم کا حال ہے اگر ایک کنڈی نظام عالم کو
ہلایا جاوے تو ساری زنجیر کو حرکت اور جنبش ہوگی اسی وجہ سے ایک فرد عالم کو
دوسرے افراد کی اشد ضرورت ہے اگر ایک فرد دوسرے افراد کی امداد اور معاونت
نہ کرے تو یہ گھیرا یا چرخ چلنے سے رہ جائے۔ اسی ضرورت کے لحاظ سے نیکی اور معاونت
اور ہمدردی کو ضروری الوجود خیال کیا گیا ہے نیکی کیوں کی جاتی ہے صرف اس واسطے
کہ یہ نظام عالم ایک اعتدال اور خط مستقیم پر قایم رہے۔ بہت سی ایسی باتیں اور ایسی
ضروریات ہیں کہ جن کو بعض افراد ہی پورا کر سکتے ہیں۔ اگر اُن کی جانب سے دوسرے
کم درجے کے افراد کی معاونت نہ ہو تو اُن کا کام کیوں کر چلے یہ بہی بڑی ضرورت ہے
کہ جو ایک نیکی کے وجود کو آفتاب کی طرح ثابت کرتی ہے اور جس سے ماننا پڑتا ہے
کہ ایک دوسرے کی معاونت کے سوا کام نہیں چلتا۔ نیکی کی طرح بعض بعض صورتوں
میں بدی کی بھی سخت ضرورت پڑتی ہے گو اس وقت ہم بدی کو اور الفاظ میں تعبیر
یا تاویل کرنے پر مجبور ہوتے ہیں مگر اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ نفس الامر میں ایک
بدی ہی ہوتی ہے ؛

دنیا میں امن اور نیکی کے لحاظ سے کوئی ایسا آلہ نہیں ہونا چاہیئے کہ جو لوگوں
کے اتفاق اور سروں کو قلم کرے لیکن مجرموں اور باغیوں اور بدمعاشوں کی تادیب
اور ادب کے لئے ایسے اوزاروں اور اسلحہ کی سخت ضرورت ہے۔ یہ سچ ہے کہ
اکال مادوں اور سموم کی اس دنیا میں نیکی کے اعتبار سے کوئی ضرورت نہیں مگر جب

مواد ردیہ اور متعفنہ کے دُور کرنے کی ضرورت پڑتی ہے تو اُس وقت یہی اکال مادے اور سمُوم بالکل تریاق اور اکسیر کا کام دیتے ہیں۔ کوئی ضرورت نہیں کہ لوگوں اور انسانوں کو ایک جیل اور قید خانے میں بند کیا جائے مگر تادیب اور تنبیہ کا قانون مجبور کرتا ہے کہ ایسے ہوس اور چار دیواریاں ضرور ہی بنائی جائیں۔ انسان کا نفس بدی کے وقت ایک دیوانے کتے کی خاصیت رکھتا ہے۔ جیسے ایک دیوانہ کتے کے واسطے سخت تادیب اور مار کی ضرورت ہے ایسے ہی انسان کے واسطے سخت باز پرس اور خوفناک قوانین اور وعیدوں کی ضرورت ثابت ہے سارنگی اُسوقت خوش آیند آواز نکالتی ہے کہ جب اُس کے کان مروڑے جائیں۔ یہی حال حضرت انسان اور دیگر مخلوقات کا ہے۔ اگر درخت کی چھانٹ تراش نہ ہو تو وہ یقیناً ایسا بدصورت ہو جائیگا کہ اُسے کوئی دیکھ بھی نہ سکے گا اور نہ اُسے کوئی پسند کر سکے گا اور نہ اس سے کوئی فایدہ ہو گا۔ ایسے اوقات اور ایسی صورتوں میں بدی ایک صحیح تادیب کا اثر اور درجہ رکھتی ہے اور ایسے ہی اوقات میں نظام عالم کو اُس کی اشد ضرورت پڑتی ہے۔

ایسی بدیاں اور تادیبات اخلاقی قوانین کے اعتبار سے نظام عالم کی برجستہ اور محکم بنیاد ہیں۔ اگرچہ ایک بدی بدی ہے مگر جب اُس کی ضرورت ہے اور وہ ایک مفید حالت میں عمل میں لائی جاتی ہے تو وہ بدی نہیں بلکہ ایک ایسی نیکی ہے کہ جو بدی کے عالم اور صورت میں بہبودی اور نیکی کا سماں دکھائے گی۔

نیکی اور بدی کا بالمقابل

بعض وقت نیکی اور بدی بدل اور مقابلے کے طور پر کیجاتی ہے جس طرف سے نیکی ہوتی ہے اُسی طرف نیکی کا بدلہ دیا جاتا ہے اور جدھر سے بدی کا عمل ہوتا ہے اُس کے مقابلہ میں بھی بدی کی جاتی ہے۔ اگرچہ نیکی اور بدی مبادلہ اور مقابلہ میں اپنی حیثیت اور حالت کو تبدیل نہیں کرتی وہی نیکی اور وہی بدی رہتی ہے مگر تبادلہ اور تقابل میں نہ تو نیکی کا وزن اور مقدار وہ رہتا ہے اور نہ بدی کا جس شخص سے نیکی اور بدی میں پہل

کی ہے یہ تو ضرور ہے کہ اُس کے مقابلے میں دوسری جانب سے بھی اُس کا عوض دیا جائے لیکن اگر اس پہلے شخص نے اسی معاوضہ اور تبادلہ کی خاطر ایسا عمل کیا ہے تو اُس نے اپنے فعل یا عمل کو کسی قدر سقوم سا لیا ہے ہاں اگر دوسرا شخص نیکی کا معاوضہ اور مبادلہ کرے تو وہ بھی ردی حالت میں شمار ہو گا۔ اگرچہ ہمیں نیکی کے عوض اور بدلے ایک یا بہت سی نیکیاں اور فائدے بخشے جائیں اور ہم بھی ایک نیکی کے عوض یا مبادلہ میں بیسیوں فیاضیوں اور نیکیاں کریں مگر اس اصول سے نیکی کرنا کہ اُس کا کچھ معاوضہ یا مبادلہ ہے ایک بزدلانہ عمل ہے۔ نیکی ہمیشہ عام سودمندی کے لحاظ سے ہونی چاہیئے۔ عام طور پر اس کا معاوضہ کچھ ملے یا نہیں جو نیکی بالمقابل یا بالتبادلہ کی جاتی ہے وہ ایک تجارت اور بیوپار ہے۔ یہ مانا جائیگا کہ وہ نیکی ہے مگر وہ بہت سی ردی اور سود مند حالت اُس میں رہے گی۔ بدی کے مقابلے میں بدی کرنا خاص صورتوں اور حالات کے ایک سخت معیوب امر اور مکروہ فعل ہے جو شخص بدی کے مقابلہ میں بدی کرتا ہے وہ گویا دوسرے شخص کے ساتھ شامل ہو کر دنیا اور سر زمین انسانی میں اکمال اور متعفن مادوں کو نا لاتتر اک پھیلاتا ہے۔ جو شخص گالی کے عوض میں گالی ہی دیتا ہے وہ یہ بات کرتا ہے کہ میں بھی اُس بدخلق اور کمینے کا بھائی اور شریک ہوں جس امر کو وہ ناپاک خیال کرتا ہے اُسی میں شرکت کرتا ہے ؂

کیا جو شخص چوری کے عوض میں چوری کریگا وہ خود بھی چور نہیں ہوگا یا مخلوق اُس کو بدمعاش نہیں کہے گی جو ایک شخص بدمعاشی کے مقابلہ میں دوسری بدمعاشی مبادلے کے طور پر کرتا ہے وہ خود بھی بدنام اور رسوا ہو گا ؂

یہ سوال کیا جائیگا کہ کیا بدی دیکھ کر خاموشی اختیار کی جائے اور ایک بدی کا جواب نہ دیا جائیگا اگر ایسا کیا جاویگا تو بدی کرنے والے ارتکاب سے کیونکر باز آئیں گے ؂

یہ منشا نہیں ہے کہ بدی کا جواب بدی میں ہمیشہ نہ دیا جائے کیونکہ اگر بدیوں کے جواب میں نیکیاں اور خاموشی اختیار کی جائے گی تو بے الوارع دنیا میں ایک اودھم اور نظام عالم کے انتظام میں ایک سخت ہلچل پڑ جائے گی ؂

مدعا یہ ہے کہ ہمیشہ ہم کو یہ اصول نہیں مد نظر رکھنا چاہیئے کہ بدی کے مقابلہ میں

بدی ہی کی جائے گی۔ اگر بدی کے معاوضہ کے سوا کام نکل سکتا ہے تو کم بخت بدی
کرنے والے کے واسطے ندامت اور خجالت ہی ایک کافی سزا ہے اور اگر اس پر بھی وہ اپنے
افعال بد اور رذیل کردار سے رکتا نہیں تو اس صورت میں مناسب تادیب مناسب ہے
جو لوگ اخلاقی قانون میں اس امر پر زور دیتے ہیں کہ ہمیشہ بدی کے مقابلہ میں خاموشی
اور نیکی ہی کرنا چاہئے وہ کسی اور دنیا میں بستے ہیں کہ اُن کی لائف اور اعلیٰ مرتبہ
پر واقع ہوتی ہے جس رنگ میں اور جس سماں میں وہ رہتے ہیں اُن کے خیالات میں
اعلیٰ درجہ کی بردباری اور صبر ہی فائز المرام ہونے کی ایک عمدہ اور حلیمی تدبیر ہے
ایسے لوگ تمام عالم میں بہت کم دکھائی دیتے ہیں اُن کو پولیٹیکل اور سوشل حالات
اور کاروبار سے بالکل سروکار نہیں ہوتا وہ تو ایسی نگاہوں سے سب حالات اور سب
کیفیات کو عارضی اور ہیچ سمجھتے ہیں اور وہ نیکی اور بدی کا معاوضہ شکر اور
صبر اور خاموشی کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں۔ جو لوگ ان نازک اور مقدس اصول
سے کہیں دور رہتے ہیں انہیں ان مسائل سے کیا واسطہ اور کیا تعلق ۔

اگرچہ اصولاً ان لوگوں کے ایسے خیالات قابل تحسین اور تعریف ہیں مگر ان پر
ساری دنیا اور سب مخلوق کا رسد کیونکر ہو سکتی ہے اور اگر ہو بھی تو اس دنیا کا دھندا
کیونکر چل سکتا ہے ہم جس محل اور جس سرزمین میں رہتے اور بود و باش رکھتے ہیں
ہمیں وہاں کے رسم و رواج سے ہی اُنس اور تعلق رکھنا زیبا اور مناسب ہے۔ ہمارا
تو یہ اصول ہونا چاہئے کہ اگر نظام عالم کے سلسلے اور انتظامات میں خاموشی اور درگزر
سے ابتری نہیں آسکتی تو ہمیشہ بردباری اور درگزری موزون اور مناسب ہے
اور اگر اس نازک سلسلہ میں فرق آنے کا اندیشہ ہو تو پھر عوض معاوضہ گلہ نذار دیر
عمل کرنا چاہئے مگر اس بات کا سخت خیال اور واقعی لحاظ رہے کہ خواہ مخواہ اس فقرے
پر عمل کرنا لازمی نہ قرار دیا جائے۔ کیونکہ بہت سی بدیاں اور برائیاں ایسی بھی ہونگی
کہ جو غلطی سے اور اتفاقاً ہو گئی ہیں اگر ایسے اغلاط کے معاوضہ میں بھی بدی ہی
کی جاوے گی تو پھر بڑی کڑی مشکلوں کا سامنا ہوگا۔ بہت سے ایسے لوگ ہیں کہ
ساری عمر میں ان سے اتفاقاً یا غلطی سے ایک ہی بدی سرزد ہوتی ہے اگر اس کا

معاوضہ یا بدلہ بھی بدی ہی سے کیا جاوے تو پھر بھی سخت مشکلات عاید ہونگی گو ملکی
قوانین میں پہلے جرم کے واسطے بھی سزا مقرر ہے مگر وہ صورت کچھ اور صورت ہے
یہاں ملکی اور حکومتی قوانین یا قواعد سے بحث نہیں ہے یہاں مورل اور اخلاقی
قوانین سے بحث ہے جو گویا برادری کے مسلمہ قوانین ہیں اور اگر دیکھا جاوے تو
حکومتی قوانین نے بھی پہلے جرم کی صورت میں نرمی کے عمل کی ہدایت کی ہے۔ یہ کہا
جائیگا کہ کیا ملکی یا حکومتی قوانین اخلاقی قوانین سے مغایر ہوتے ہیں اس کا جواب
یہ ہے کہ ان میں کوئی مغایرت نہیں ہوتی۔ لیکن اگر اُن حکومتی قوانین میں ایسی صورتوں
کا استثنا نہ کیا جاوے تو پھر نظام عالم میں سخت ابتریاں اور خرابیاں پیدا ہونگی ملکی
اور حکومتی قوانین کا یہی فرض ہے کہ اُن کی جانب سے سخت اور خوفناک وعیدیں ہوں
تاکہ مخلوق اور رعایا کو بدامنی اور بدظمی پھیلانے کا کوئی موقع ہی نہ ملے۔ باوجود اس
قدر سخت وعیدوں کے بھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگوں اور رعایا کی عقلیں اور خیالات
درست نہیں رہتے اگر خدانخواستہ حکومتوں کی جانب سے اس قدر سختی نہ دی
بھی نہ ہوتی تو معلوم نہیں کہ ملک اور قوموں میں کیا کچھ آفتیں آتیں اخلاقی قوانین
لوگوں کو ڈراتے نہیں اور نہ ڈرا کر ایسا اثر جمانا چاہتے ہیں بلکہ اُن کی روش اور چال
بالکل سادہ اور سلیم ہوتی ہے۔ خلاف اس کے ملکی قوانین اپنے ہاتھوں میں گورنمنٹ
یا حکومت کی طرف سے ڈنڈا بھی رکھتے ہیں۔ گویا اُن کا وجود اخلاقی گورنمنٹ کی جانب
سے ایسا ہی ہے کہ جیسے سول لین کے مقابلے میں پولیس گو اخلاقی یا مورل گورنمنٹ
کی جانب سے ہی ہمیشہ اس امن بخش ملکی قوانین اور حکومتی اصولوں کا وجود باجو
ہوتا ہے مگر پھر بھی حکومتی اصولوں سے ہی دنیا میں ایک عام امن اور بہبودی
رہتی ہے اگر محض آزاد اصول ہی ہوں تو دنیا میں اس وقت جو امن کی صورتیں
پائی جاتی ہیں ان کا وجود بھی دکھائی نہ دے ؂

اخلاقی گورنمنٹ کی قدر و منزلت اس صورت میں اور اُسی حالت میں ہے کہ جب
اِس کی مددگار یا ہاتھ بٹانے والی حکومتی گورنمنٹ بھی ہو۔ اخلاقی گورنمنٹ کے اصول
اور ارشادات عالیہ کتابوں کی جلدوں اور دلوں کی گہری تہوں میں ہیں اور اُن

کا ظہور یا حدوث اور عمل بہت ہی رسمی اور دکھاوے میں سے ہوتا ہے کہ حکومتی قوانین
یا اخلاق کا سبق ظاہر نہیں دیا جاتا ہے اور ثابت کر دیا جاتا ہے کہ اِن کی مخالفت
کوئی اور ہی رنگ لائے گی۔

نیکی اور بدی کا اپنی ذات پر اثر

جیسے ایک بات کے منع کرنے سے اُس کی حقیقت کھل جاتی ہے ایسے ہی اپنی
ذات پر نیکی اور بدی کا تجربہ کیا جاوے تو اُس کی کیفیت بھی معلوم اور ثابت ہو
سکتی ہے اگر انسان نیکی اور بدی کا اثر معلوم کرنا چاہے تو اُسے لازم ہے کہ سب سے
اوّل خیالی طور پر اپنی ذات پر اُس کو وارد کر کے دیکھے اس ذاتی ارادے سے جو آ
ملیگا وہی اُس کی حقیقت اور اثر ہوگا اُس کے بعد وہ اپنی ہی طبیعت اور اپنے ہی
دل سے سوال کر سکتا ہے کہ کیا وہ عمل درست ہے۔ اگر اپنی ذات کے واسطے وہ عمل
ٹھیک اور درست ہے تو وہ دوسروں کے واسطے بھی موزوں ہوگا اور اگر ہم خود
ہی اُس کو درست اور مناسب نہیں سمجھتے تو دوسروں کے لئے کیوں موزوں سمجھا
جاتا ہے۔ ایک پرانا قول اس مطلب کو کیا عمدگی سے ادا کرتا ہے "ہرچہ بر خود
میپسندی بر دیگراں ہم میپسند"۔ اگر گالی اور بُرا کلمہ اپنے آپ کو بُرا لگتا ہے تو کیا
وہ دوسرے کے نزدیک موزوں اور شیریں ہوگا؟ جو تلوار ہمیں کاٹتی اور دکھ دیتی
ہے وہ دوسرے کو بھی ضرور کاٹے گی جس طرح دریا سے ہم خود خوف کرتے اور
ڈرتے ہیں کیا یہ انصاف ہوگا کہ ہمیں جو خوفناک موجوں اور بھنوروں میں کسی دوسری
جان کو دھکیل دیں؟

جس ہاتھ سے دیتے ہو اُسی ہاتھ سے لو جس پیمانہ سے لیا ہے اُسی سے ادا
بھی کرو۔ اگر تم کو نیکی اچھی لگتی ہے اور اُس سے تم کو سودمندی کی [illegible]
ہوتا ہے تو اسی خیال سے اوروں کے ساتھ نیکی کرو ہاں اگر تمہیں خود بدی ہی سے
نفرت ہو تو دوسری بات ہے بدی کرتے وقت اگر انسان اپنے دل اور [illegible]
دریافت اور تحقیق کر لیا کرے تو بہت [illegible] [illegible] [illegible]

اصول سے زیادہ تر اور کوئی اصول برجستہ اور کارآمد نہیں کہ انسان برائی اور بدی کے
وقت اپنے دل سے سوال کیا کرے اور خیال اُسکو اپنے نفس پر وارد کرکے دیکھے اگر چہ انسان
بدی کرکے اور کسی کو ایک آفت اور بلا میں گرفتار دیکھ کر بعض اوقات نہال اور بعض طرب
نہیں ہوتا لیکن یہ حال تو اُس وقت کا ہے کہ جب ذات بشریت کا گرا یا ملا ہوتا ہے۔ لیکن
توت ہے کہ جب ذات خاص پر رد اور حملہ ہوتا ہو تو اُس وقت بھی وہی طریق عمل کرے کہ جو دوسرے
کی اذیت اور تکلیف پر مرعی خاطر ہوتا ہے۔ اپنے آپ کو تو اگر ایک تنکا بھی چبھے تو قیامت
برپا کر دی جاتی ہے اور دوسروں کی آنکھ میں شہتیر دیکھ کر بھی افسوس اور رنج نہیں
کیا جاتا یہ ایک بے رحمی اور ناانصافی کا عمل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کیا عمدہ فرمایا ہے
"اُس آدمی پر واویلا ہے جو دوسرے کی آنکھ میں تنکا تو دیکھتا ہے پر اپنی آنکھ کے شہتیر پر
نظر نہیں کرتا" کوشش کرو اور ایسا صاف دل بناؤ کہ نہیں دوسروں کی تکلیفوں اور ایذا
پر رحم کی نگاہیں کرنے کا موقع ملے۔ زندگی چار روزہ اور حباب سا ہے دم آیا
نہ آیا مرنے کیواسطے کوئی بڑی تدبیر قدرت کو نہیں کرنی پڑتی اور نہ بہت اہتماموں
کی ضرورت ہوتی ہے اُس وقت سے پہلے کہ جب اس قالب سے دم اور سانس نکلے
بھلائی اور بدی کو سمجھ لو اور سود بہبود اور سود آکر لو۔ ایسا نہ ہو کہ دھوکا اور انتظار میں ہی عمر
چل بسے اور اُس کیواسطے بار بار کی دو کانیں نہ کی جائیں۔ اُٹھو کیونکہ ابھی وقت ہے
دوسری جگہ اور دوسرے سفر میں حساب ضرور لیا جاویگا۔ اور یہ سوال ہوگا کہ اس امتحان کی
جگہ یا آزمائش گاہ میں کیا کچھ کر کے آئے ہو رعایت سے یاں کر دیں تو نہ دوسری امتحان
مگر امتحان کے نمبر ضرور دئے جائینگے کیا فیل شدگان کو پاس شدگان کے روبرو لانے کا حوصلہ
اور موقع ہوتا ہے؟ ہرگز نہیں۔

اسے انسان کی نسل اور بچو دعا کرو کہ ہم اس جو ہماری پیدائش سے [illegible] ہوں
ہاں دعا کرو کہ خدا تعالے کا رحم اور فضل ہمارے شامل حال ہو۔

نیکی اور بدی کی یاد

ایک مشہور حکیم کہتا ہے" تو جو نیک کام کرے اُسے بھلا دے پر جو شر سے ہاتھوں ناداں یا

خیال سے بدی سرزد ہو تو اُسے تمام عمر یاد رکھ اور اُس کی بابت علت العلل سے ہمیشہ معذرت و معافی مانگ تو جو ایک بدی کرکے پھر دوسری بدی کرتا ہے کیا تجھے پہلی بدی اور پہلی عفو کرنا یاد نہیں رہی کاش اس دُکھ کے مارے تو پہلے ہی مر جاتا۔ تو جو نیکی کرکے یاد کرتا اور اتراتا ہے بہتر تھا کہ تجھے ایسا سرد دل اور نکما حافظہ ہی عطا ہوتا کیا تو نے **نیکی کُن اور بدی یاد انداز** کا فقرہ نہیں سنا وہ نیکی کیا ہے جس پر اُس کا فاعل اتراتا اور شوخی کرتا ہے ÷

نیکی وہی عمدہ اور قابل قدر ہے کہ جو اپنے آپ کو یاد نہیں کراتی۔ اور وہ بدی بھی مبارک ہے جو ایک دفعہ سرزد ہو کر اپنے وجود کی شرم اور بُرائی کو ہمیشہ یاد دلاتی رہتی ہے جو شخص بدی کو یاد کرکے دوبارہ طور پر اُس سے اثر پذیر ہوتا ہے وہ بہت سی صورتوں اور حالتوں میں ارتکاب بدی سے محفوظ رہ سکتا ہے لیکن جو شخص بدی کو یاد ہی نہیں کرتا وہ گویا اُسکو بہت ہی قابل استعمال خیال کرتا ہے ÷

ایک حکیم سے کسی نے پوچھا کہ بدی سے محفوظ رہنے کے کیا وسائل ہیں اُس نے جواب دیا کہ بدی کو بدی بیان کرکے ہمیشہ گوشہ خاطر میں رکھنا ایک عمدہ ذریعہ تباہی سے محفوظ رہنے کا ہے بدی وہی یاد رکھنے کے قابل ہے جو اپنی جانب سے ہو۔ وہ بدی جو دوسرے کی طرف سے ہو اُسے حتی المقدور بھلا ہی دو کیونکہ دوسری بدی کو نیکی کے مفہوم میں لینا خود ایک نیکی اور سعادت ہے۔ مبارک ہیں وہ شخص جو اپنی نیکی کو یاد نہیں رکھتے لیکن اپنی بدیوں پر [illegible] کرتے ہیں اور مبارک ہیں وہ بھی جو بدی کا معاوضہ نیکی سے دیا کرتے ہیں اور بجائے بدلے کے لوگوں کو معاف کر دیتے ہیں یہی ہیں جو خداوند کی بادشاہت میں خوشی سے داخل ہونگے۔ یہی ہیں جن کو اس دُنیا اور آنیوالے دنوں میں مبارک کہا جائیگا ÷

نیکی اور بدی کا ثمرہ

کون ہے جو یہ کہتا ہے کہ نیکی اور بدی کا ثمرہ نہیں ملتا۔ یہ جھوٹ اور بہتان ہے نیکی کی جزا اور بدی کی سزا ضرور ملے گی اور یہ ایسا ہی ہے جو بوئیگا ضرور کاٹے گا ÷

جو شخص ثمردار اور سایہ دار پودے لگاتا اور اُن کی پرورش کرتا ہے وہ ضرور پھل کا مالک ہوگا اور سایہ میں بیٹھے گا لیکن جو شخص بے پھل پودوں کی پرورش کرتا اور بے سایہ ٹھنٹھوں کو لگاتا

بجز اُسکے کانٹوں اور خار کے سوا کچھ نہیں دیا جائیگا ۔

انسان ایک کام کرتا اور طبعاً اُس کے ثمرے پانیکا امیدوار رہتا ہے اگر یہ اصول قرار دیا جاسکے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہیں ملتی تو پھر گویا ایک ابدی و ازلی قاعدے میں انقلاب اور ابتری کے سامان خود ہی پیدا کئے جائینگے اور ایسی صورت میں کسی انسان [illegible] کو نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کا خیال ہی نہ ہوگا۔ انسان جو نیکیاں کرتا اور بدیوں سے بچتا ہے وہ اسی حوصلہ اور امید پر جو کہ سزا اور جزا کی امید اور خوف ہے جہاں یہ کہا گیا ہے کہ نیکی کرکے بھول جاؤ اور بدیوں کو ہمیشہ خوف کے ساتھ یاد رکھو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس صورت میں جزا اور سزا نہیں ملتی بلکہ یہ کہ نیکی کرو اور اُس کے اجر و بدلے پانے کی توقع لگا رکھو اور بدی کی بابت ڈرو کہ اس کا عوض ضرور ملیگا اور جو بے اعتنائی کی گئی ہے اُس کی سزا پانی ہوگی ۔

نیکی اور بدی کی سزا اور جزا دو طریقوں یا دو عالم گاہوں سے ملتی ہے ایک کا تصفیہ تو یہیں پر اسی دنیا میں ہوجاتا ہے اور دوسری صورت عالم ارواح میں نمودار ہوگی جن لوگوں نے خدا اسکے وجود باوجود کو مانا اور تسلیم کیا ہے اور جو اُس علت العلل کی مقدس ہستی کے قائل ہیں وہ تو ان دونوں سلسلوں اور عذاب و ثواب کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور جنہوں نے اس پاک ہستی سے روگردانی کرکے اس مجموعہ عالم کو [illegible] مانا ہے وہ صرف اس عالم کی سزا اور جزا کو تسلیم کرتے ہیں پھر کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو نیکی اور بدی کی جزا اور سزا تسلیم شدہ ہے اگر اُس عالم ثانی کا اقرار نہیں ہے تو یہاں ہی یہی سزا جزا تو ضرور مل کر رہے گی ۔

ہم عالم ثانی کی نسبت بحث کرسکتے تھے کہ وہ عالم بھی درحقیقت موجود ہے اور یہ کہ اُس کی ضرورت بھی ہے مگر چونکہ ہم یہاں کسی اور کوچہ میں چلتے ہیں اُس قصہ کو جس کا یہاں سے رشتہ نہیں اُس کے واسطے کوئی اور میدان تلاش کرینگے ۔

نیکی اور بدی کے ثمرہ کی بابت ایک مغالطہ

نیکی اور بدی کی بابت مغالطہ پایا جاتا ہے حسب انکی جزا اور بالعموم حالات میں بظاہر طور پر ملتی اور انہیں ایسا محسوس بھی نہیں ہوتی یہ خدشہ گذرتا ہے کہ نہ تو نیکی کا ثمرہ ملتا ہے اور نہ

بدی کا عوض یا سزا اس صورت میں نیکی اور بدی کا لحاظ یکساں کر دیا جاتا ہے۔ تو نیکی کی قدر و منزلت باقی رہتی ہے اور نہ بدی کی کیونکہ جب اُنکی سزا و جزا نہیں تو ان میں فرق کیا ہو گا اور لوگوں کو ایک کے کرنے اور ایک سے باز رہنے کی ترغیب اور تحریص کیونکر ہوگی۔ لوگوں نے اپنے پیمانوں اور معیار پر نیکی اور بدی کی جزا یا سزا کو محصور اور محدود کر رکھا ہے اور حقیقت میں یہ امر نہیں بلکہ وہ پیمانہ اور ہی ہے نیکی اور بدی کا موازنہ دو طاقتوں کی جانب سے کیا جاتا ہے ایک اعلیٰ طاقت اور علت العلل کی جانب سے اور ایک خود اسی نظام عالم میں یہ دونوں حالتیں کو ایک ہی صورت کی نہیں ہیں مگر نہیں کوئی شبہ نہیں ہے کہ قدرتی معاملات اور موازنوں کی طرح نظام عالم میں حالت تو یں او تغییر کبھی کبھی کبھی وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اور اس وقفہ کی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال اور خدشہ گذرتا ہے کہ اُسکے اعمال یا افعال پر نہ تو کوئی غور کرتا ہے اور نہ اُنکی سزا یا جزا دی جاتی ہے۔

یہ ایک جرأت اور مسامحت ہے دونوں طاقتوں کی جانب سے نیکی اور بدی پر غور ہوتی اور سزا و جزا دی جاتی ہے لیکن انسان اُن باریک اور لطیف راہوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھتا نہیں اور نہ اُن پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر انسان غور کی آنکھیں وا کرے تو اُسے روز روشن کی طرح تاب اور معلوم ہو سکتا ہے کہ ہر ایک عمل اپنا انعام یا سزا اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ لیکن افسوس یہ ہے کہ انسان تاریکی ... کی لطافت اور گہرائی کو دور اندیشی اور غور کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر وہ گہری نگاہوں سے دیکھے تو وہ بہت جلد پائیگا کہ ہر ایک نیکی اور بدی اپنا اثر اور اپنا نتیجہ اپنے ساتھ ہی لاتی ہے۔

قدرتی قوانین میں نیکی اور بدی کی سزا و جزا کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ کئی اصول اور چند طریقے ہیں انسان ان کو سرسری نظروں سے محسوس نہیں کر سکتا ایک نیکی کی جزا دی جاتی ہے اور ایک بُرائی کی سزا مگر انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کس عمل یا فعل کا یہ نتیجہ ہے۔ قانون قدرت کا یہ مرکزی قانون ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نیکی یا ... کا ... معاوضہ یا بدلہ نہیں دیتا۔ بلکہ ایسی راہوں یا ایسی روشوں سے مبادلہ یا عذاب اور ثواب دیا جاتا ہے کہ جس پر کسی کا دیا اثر پڑتا ہے۔ اُسے ایسی ہی مدد کی ناکر ... کا علم اور یاد بھی نہیں ہوتی۔ اگر ... جزا یا سزا دی جاسکے تو اس حالت میں انسان

ہے اُسے کانٹوں اور خار کے سوا کچھ نہیں دیا جائے گا ۔

انسان ایک کام کرتا اور طبعاً اُس کے ثمرے پانے کا امیدوار رہتا ہے اگر یہ اصول قرار دیا جائے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا نہیں ملتی تو پھر گویا ایک ابدی اور ازلی قاعدے میں انقلاب اور ابتری کے سامان خود ہی پیدا کئے جائینگے اور ایسی صورت میں کسی انسان بالخصوص کو نیکی کے کرنے اور بدی سے بچنے کا خیال ہی نہ ہوگا۔ انسان جو نیکیاں کرتا اور بدیوں سے بچتا ہے وہ اسی حوصلہ اور امید پر جو اُسے سزا اور جزا کی امید اور خوف ہے۔ جہاں یہ کہا گیا ہے کہ نیکی کر کے بھول جاؤ اور بدیوں کو ہمیشہ خوف کے ساتھ یاد رکھو اسکا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس صورت میں جزا اور سزا نہیں ملیگی بلکہ یہ کہ نیکی کرو اور اُس کے اجر و بدلے کے واسطے لگا رکھو اور بدی کی بابت ڈر کر اس کا عوض ضرور ملیگا اور جو بے انتہائی کی گئی ہے اُس کی سزا پانی ہوگی ۔

نیکی اور بدی کی سزا اور جزا دو طریقوں یا دو عدالت گاہوں سے ملتی ہے ایک کا نتیجہ تو نہیں بھی اسی دنیا میں ہو جاتا ہے اور دوسری صورت عالم ارواح میں نمودار ہوگی جن لوگوں نے جو اسکے وجود باوجود کو مانا اور تسلیم کیا ہے اور جو اُس علت العلل کی مقدس ہستی کے قائل ہیں وہ تو ان دونوں سلسلوں اور عذاب و ثواب کو مانتے اور تسلیم کرتے ہیں اور جنہوں نے اس پاک ہستی سے روگردانی کر کے اس مجموعہ عالم کو مدبر کل مانا ہے وہ صرف اس عالم کی سزا اور جزا کو تسلیم کرتے ہیں۔ خیر کوئی بھی صورت کیوں نہ ہو نیکی اور بدی کی جزا اور سزا تسلیم شدہ ہے اگر اُس عالم ثانی کا اقرار نہیں ہے تو یہاں ہی سہی سزا جزا تو ضرور مل کر رہے گی ۔

ہم عالم ثانی کی نسبت بحث کر سکتے تھے کہ وہ عالم بھی درحقیقت موجود ہے اور یہ کہ اُس کی ضرورت بھی ہے مگر چونکہ ہم یہاں کسی اور کوچہ میں چلتے ہیں اُس مقصد کو نہیں کلام میں چھوڑ دیتے ہیں اُس کے واسطے کوئی اور میدان تلاش کرینگے ۔

نیکی اور بدی کے ثمرہ کی بابت ایک مغالطہ

نیکی اور بدی کی بابت یہ مغالطہ پایا جاتا ہے کہ جسمانی جزا اور سزا بعض حالات میں مبہم طور پر ملتی اور بعض اوقات محسوس بھی نہیں ہوتی تو یہ خدشہ گذرتا ہے کہ نہ تو نیکی کا ثمرہ ملتا ہے اور نہ

بدی کا عوض یا سزا اس صورت میں نیکی اور بدی کا کھاتہ یکساں کر دیا جاتا ہے۔ تو نیکی کی قدر
و منزلت باقی رہتی ہے اور نہ بدی کی کیونکہ جب اُنکی سزا و جزا نہیں تو اُن میں فرق کیا ہوگا
اور لوگوں کو ایک کے کرنے اور ایک سے باز رہنے کی ترغیب اور تحریص کیونکر ہوگی۔ لوگوں
نے اپنے پیمانوں اور مقادیر پر نیکی اور بدی کی جزا یا سزا کو محصور اور محدود کر رکھا ہے اور
حقیقت میں یہ امر نہیں بلکہ وہ پیمانہ اور ہی ہے۔ نیکی اور بدی کا موازنہ دو طاقتوں کی
جانب سے کیا جاتا ہے ایک اعلیٰ طاقت اور علت العلل کی جانب سے اور ایک خود اسی
نظام عالم میں۔ یہ دونوں حالتیں گو ایک ہی صورت کی نہیں ہیں مگر نہیں کوئی شبہ نہیں
ہے کہ قدرتی معاملات اور موازنوں کی طرح نظام عالم میں حالت تکوین اور تغییر کبھی کبھی
کبھی وقفہ کے بعد ظہور پذیر ہوتی ہے اور اس وقفہ کی صورت میں انسان کے دل میں یہ خیال
اور خدشہ گذرتا ہے کہ اُسکے اعمال یا افعال پر نہ تو کوئی غور کرتا ہے اور نہ اُنکی سزا یا جزا دی جاتی ہے۔
یہ ایک جرأت اور مسامحت ہے دونوں طاقتوں کی جانب سے نیکی اور بدی پر غور
ہوتی اور سزا و جزا دی جاتی ہے لیکن انسان اُن باریک اور لطیف راہوں کو غور کی
نگاہوں سے دیکھتا نہیں اور نہ اُن پر چلنے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر انسان غور کی آنکھیں وا
کرے تو اُسے روز روشن کی طرح تاباں اور معلوم ہو جاویگا کہ ہر ایک عمل اپنا انعام یا سزا
اپنے ساتھ ہی لاتا ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ انسان [illegible] کی باریکیوں اور گہرائی
کو دوراندیشی اور غور کی نگاہوں سے نہیں دیکھتا۔ اگر وہ گہری نگاہوں سے دیکھے تو وہ
بہت جلد پائیگا کہ ہر ایک نیکی اور بدی اپنا اثر اور اپنا نتیجہ اپنے ساتھ ہی لاتی ہے۔

قدرتی قوانین میں نیکی اور بدی کی سزا و جزا کا ایک طریقہ نہیں ہے بلکہ کئی اُصول
اور چند طریقے ہیں انسان ان کو سرسری نظروں سے محسوس نہیں کر سکتا۔ ایک نیکی کی
جزا دی جاتی ہے اور ایک بُرائی کی سزا مگر انسان کو علم نہیں ہوتا کہ کس عمل یا فعل کا یہ معاوضہ
ہے۔ قانون قدرت کا یہ مرئی قانون ہے کہ وہ ہمیشہ ایک نیکی یا ایک بدی کا [illegible]
معاوضہ یا بدلہ نہیں دیتا۔ بلکہ ایسی راہوں یا ایسی روشوں سے بدلہ یا عذاب
اور ثواب دیا جاتا ہے کہ جس پر اُسکی نگاہ نہیں پڑتی ہے۔ اُسے اپنی کسی عمل کی یا کرتوت
کا علم اور یاد بھی نہیں ہوتی۔ اگر نیکی کی جزا یا سزا دی جاتی ہے تو اس حالت میں انسان

کو کافی علم ہو سکتا ہے کہ فلاں نیکی کا ثواب یا اجر اور فلاں بدی کی سزا دی گئی ہے
یہ ہی موجب ہے کہ انسان کو بعض اوقات یہ شبہ باقی ہوتا ہے کہ اس کی نیکی و بدی
کی جزا و سزا نہیں دی گئی۔

یہ ہی باعث بعض وقت انسان کو نیکیوں سے محروم اور بدیوں سے لاپرواہ
بنا دیتا ہے اور پھر وہ دونوں کو ایک ہی رسی سے باندھتا اور ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا
ہے بعض وقت جو اسے نیکی اور بدی کے نام سے اجر یا سزا نہیں دی جاتی ہے
اس میں ایک گہرا اور لطیف بھید ہے اگر قدرت کی جانب سے نامزد کر کے بدلہ دیا
جاتا تو ہمیشہ نیکی کرنے والے انسان کو اپنی نیکیوں کے صرف قبولیت کا گمان اور
رعونت رہتی۔ اس کا دل اور درجہ مسرور رہتا عقل اور مغرور ہو کر لاپرواہ اور غافل
ہو جاتا۔ اب تو اسے ہمیشہ ہی خدشے اور شبہے رہتے ہیں کہ آیا وہ نیکی قبول اور منظور
ہوئی ہے یا نہیں۔ اگر بدی کی سزا بھی نام بنام دی جاتی تو اس میں بھی خرابی عائد
ہونے کا اندیشہ تھا۔ اس صورت میں انسان ایک بدی کر کے اس کے مکافات
کا آنا فانا منتظر رہتا اور اسی حالت میں ایسی بدیوں سے معترض رہتا صرف ایک
خوف اور اضطراب کے لحاظ سے ہوتا نہ کہ خالص نیت اور خلوص قلب سے اور
اس امر کا پہلا اور قائم رکھنا ضروری تھا کہ لوگوں کو نیکی اور بدی کا حقیقت الامر
کے تقاضا سے خیال ہو نہ کہ محض ڈر اور امید سے جن کو دوسرے الفاظ میں
ایک طمع کہہ سکتے ہیں اور یہ بھی کہ اگر ہر ہر اس قسم کی بدی و مکافات دی جاتی
اور اسی وقت تو اس کا اثر یہ ہوتا اگر ایک مجرم کو ہو بہو وہی اور اسی قسم کی
سزا دی جاتی تو اس کو ایک حوصلہ اور طمانیت رہے گی لیکن اگر اس سزا و بدل
کا مقرر کرنا دوسرے کی مرضی پر ہو تو پھر مجرم کو تا ظہور اس بدل کے ایک سخت
تہلکہ اور اندیشہ رہے گا جو ایک صورت میں خود ہی اس کے لئے ایک سزا ہے۔

نیکی اور بدی کی جزا و سزا کی نسبت کیا خوب کہا ہے مقولے ہیں "برآید
درست آید" سخت گیر و درشت [illegible] قدرت اس لئے درگزر کرتی ہے
کہ نیکی کم سے کم والا اور نیکی ہوس سے واسطہ اور ہمیشہ نیکی اور بدی کا سچا [illegible]

اس واسطے نہیں دیا جاتا کہ اُس تعاون اور تبادل سے سزا یا جزا ہوتی ہے۔ اگر ہو
بہو وہی پیمانہ اور طریق عمل رکھا جائے تو سزا اور جزا کا حقیقی اور اصلی مفہوم قایم
نہیں رہے گا۔ اگر ایک شخص کو ایک دوسرے شخص کا پیسہ چرا لینے پر عدالت سے
صرف یہی سزا ملے کہ اس سے صرف ایک ہی پیسہ دلایا جاوے تو سزا اور عبرت
دونوں نا... ہوں گی۔ اگر عدالت اس جرم پر مجرم کو جرمانہ اور قید کی سزا دیگی
تو ایک عمدہ طریقہ ہوگا ؟

اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو مرنے سے بچائے یا کسی کے گھر میں آگ لگنے
دے یا ایک شخص کی دیہہ سے امداد کرے تو اگر اس کا بدلہ انہیں صورتوں میں کیا
جائے تو ایک تو انہیں واقعات کے وقوع کی انتظار کرنی پڑیگی اور دیکھنا پڑے گا
کہ کب کسی کا گھر جلتا اور کب کوئی کسی قتل گاہ میں قتل کو جاتا ہے اور کب کسی
کو بدبختی اور افلاس کی آفت طعمہ سالی ہے۔ یہ طریق عمل یا تدبیر تو دنیا کے تمام
کاروبار کو بند کر کے رہے گی ؟

اگر ہو بہو وہی سزا یا جزا دی جاوے تو اس امر کا استلزام بھی ضروری ہوگا
کہ قدرت کی بھی یہ رہے اور اس سزا یا جزا سے اس قسم کی خوشی یا مسرت اور
رنج یا اذیت ہو کہ جیسے دوسرے کو مل چکی ہے۔ یہ خط ما تقدم تو بہت ہی بہتر
اور ٹھہری کھیر ہے اگر اس شارع پر چلی جائے تو شاید بہت سے مجرموں کو
تصفیہ کے واسطے مدتوں تک انتظار کرنا پڑے گا انہی صورتوں کے سبب نیکی
اور بدی کے عوض نیکی اور بدی کی سزا و جزا دی جاتی ہے خواہ کسی قسم کی اور کسی حالت میں ہو
انتظام عالم کے سلسلوں میں بھی کسی قدر تغیر کے ساتھ یہی عمل ہے اور تغیر یا
نہیں قواعد پر نظر ہے کہ جو قوانین قدرتی میں ہیں ؟

نیکی اور بدی کا معاوضہ اس وقت دیا جاتا ہے کہ جب اُن کا کافی ثبوت ہو
اور ثبوت کسی امر کا دوسرے کے سامنے دلایل و براہین یا واقعات سے ہوتا ہے اور
ظاہر ہے کہ ہمیشہ ثبوت کسی امر کا اصل بعینہ ... مقدار یا صورت میں کسی قدر خلاف ہوا
کرتا ہے۔ اور ثبوت جو کسی قدر خلاف کے ساتھ قایم ہوگا۔ وہی سزا و جزا کا ایک پیمانہ سمجھا

جائیگا۔ اور اسی کے موافق وہ سزا یا جزا ہوگی۔ اس حالت میں مثل بالمثل کا قانون باقی نہیں رہیگا۔ بلکہ ایک تیسری صورت پیدا ہو جاوے گی۔ اگر کبھی یہ کہا گیا ہے کہ سزا اور جزا مثل بالمثل ہونی چاہئے تو اس کا مفہوم صورت سزا اور جزا ایک ہی مقدار محدود ہے اس امر کا منافی نہیں ہے کہ کسی اور طریق عمل میں ایک سزا یا جزا ہو۔ یہ تو کہا گیا ہے کہ نیکی کا بدلہ نیکی اور بدی کا بدلہ بدی لیکن یہ نہیں کہا گیا ہے کہ جیسی نیکی کی جائیگی اسی حیثیت اور اسی شکل سے معاوضہ ہوگا یا جیسی بدی ہوگی اسی قسم سے بدلہ دیا جائے گا سب سے سیدھی اور صاف بات یہ ہے کہ نیکی کی جزا اور بدی کی سزا دوسرے بالکل ہی ہوا کرتی ہے اس سے بحث صورت یا اس طریق عمل کو صحیح اور دنیا سے جاہل کہا۔ رہی یہ بات کہ ہمیں اس کا وقت پر علم کیوں نہیں ہوتا یہ خود ہماری کم اندیشی کا باعث ہے ہر کا فات عمل ضرور ملتی ہے اگر ہم غور کرتے رہیں تو ہمیں ساتھ کے ساتھ معلوم ہوتا رہے کہ ہمیں سب سے بڑھ کر یہ علم دانی نہیں ہے کہ جب ہم بدی کرتے ہیں تو ہم خود خود ہی ارتکاب کرنے کے ایک دل اور ایک ایسی ہی حالت اور ہراساں رہتا ہے جس کو اطمینان قلب اور طمانیت کہا جاتا ہے اس کا وجود ہم میں کبھی نہیں دکھائی دیتا اور ہماری حالت ہمیشہ مضطرب رہتی ہے گویا ہم سچ مچ کے تنور میں جل رہے ہیں۔ کیا یہ تھوڑی سزا اور تھوڑا بدلہ ہے۔ کیا ان حالتوں کو ہم خود ہی محسوس نہیں کرتے ہیں مگر ان سے کوئی عمدہ سبق نہیں لیتے۔ بدی کو اگرچہ کئی سال گذر جائیں مگر پھر بھی اس کی سوزش اور جلن طبیعت یا دل میں روز اوّل ہی کی طرح موجود رہتی ہے جب کوئی قریبی پہچان آنکھوں میں گذرتی ہے تو وہ آتش جلن کو تیز ہو جاتی ہے اور ہم ایک جدائی سزا پا لیتے ہیں +

یہی حال نیکی اور خیر کا ہے گو ظاہر میں نہیں بالفعل نیکی اور بدی کا کوئی صلہ یا جزا ملے لیکن ہم دل میں خوب جانتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ ہمیں کوئی کھٹکا نہیں ہے ہمارے دل و روح کی حالت نہایت ہی مطمئن اور قائم ہوتی ہے اگر اس اطمینان کو کسی خارجی حدت سے علم کیا جائے تو ممکن نہیں کہ اس میں کمی مود ار ہو کیا ہماری نیکی اور خیر کا یہ تھوڑا اثر اور کم نتیجہ ہے۔ یہ وہ بات ہے جو لاکھوں سے حاصل نہیں ہوتی +

۹

تعریف

اکثر ایسے لوگ ہیں کہ جو اپنے مُنہ سے بھی تعریف کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اور لوگ بھی اُن کی تعریف کریں۔ بعض ایسے بھی ہیں کہ خود اپنے مُنہ سے اپنی تعریف نہیں کرتے مگر یہ آرزو رکھتے ہیں کہ دنیا اُن کی تعریف کرے بعضوں کو ان دونوں سے نفرت ہے۔

جو لوگ اپنے مُنہ سے اپنی تعریف کرتے ہیں لوگ اُن کو بُرا کہتے ہیں اور اُن کی مذمت کی جاتی ہے۔ لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ اپنے مُنہ سے اپنی تعریف کرنا اور دوسروں سے اپنی تعریف چاہنا ایک اخلاقی کمزوری ہے۔

جو اشخاص ان دونوں سے نفرت کرتے ہیں اُن کی تعریف کی جاتی ہے اور اُنکی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ ایک سلیم المزاج اور شریف الخصلت انسان ہیں۔

جس طرح مذہبی مسایل اور قیاسات میں کبھی کبھی غلطیاں اور غلو ہو جاتے ہیں اور اسی غلطی کی وجہ سے لوگ خواہ مخواہ ہی بعض خیالات کی پوجا کرنے لگ جاتے ہیں حالانکہ اُن میں صداقت نہیں ہوتی اسی طرح اخلاقی مسایل میں بھی غلطیاں ہوتی رہتی ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات قیاسات کی صحیح فلسفی کو بھی بُرے معنوں میں تاویل کیا جاتا ہے۔

بعض حکیموں نے یہ بحث کی ہے اور اُن کی یہ رائے ہے کہ دنیا میں کوئی شے یا کوئی حالت بھی بذاتہٖ کلیتاً بُری اور اچھی نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات ایک شے یا ایک حالت کو باعتبار اُس کے عملی طریقوں کے اچھا یا بُرا کہا جاتا ہے قدرت کا قانون کچھ ایسا ہی واقع ہوا ہے کہ ہر ایک شے میں کئی ایک قسم کی حقیقتیں پائی جاتی ہیں اگر ایک حالت میں ایک شے بُری کہی جاتی ہے تو دوسرے معنوں میں اُس کو اچھا بھی کہتے ہیں خواہ وہ بُرائی اور اچھائی اضافی ہو یا حقیقی۔

یہ بالکل درست ہے کہ استعمالی طریقے ہر ایک عمل اور شے اور حالت کی بُرائی

افعال یا خیالات کی وجہ سے محبوب اور موقر ثابت ہو اور وہ خاص طور پر عزت
دیا جاوے

ایک خوردسال اور ایک معصوم بچہ جب کسی غیر کو بھی پیار کرتے دیکھتا ہے
تو شوق سے اس کی طرف ہاتھ پھیلاتا اور جھکے جاتا ہے۔ اس معصوم بچہ کو کون سی
طاقت اُس غیر کی طرف کشاں کشاں لئے جا رہی ہے۔ اور وہ کیوں باوجود اس صغرسنی
اور بے سمجھی غیر سے مانوس ہوا جاتا ہے۔ وہی طبعی کشش اور طبعی جذب جو ہر ایک طبیعت
میں مودعہ ہے اس خوردسال بچہ کی رہبری کا باعث ہے +

جب ایک شخص کی عزت کی جاتی ہے تو وہ بھی عزت کرنے والوں کو محبت اور
الفت کی نگاہوں سے دیکھتا ہے نہ کیوں صرف اس واسطے کہ دوسرے لوگوں نے
اُس کی خواہش کو پورا کیا۔ ایک انسان کا دوسرے انسان سے یوں پیش آنا دوسرے
الفاظ میں ایک عملی تعریف ہے جس سے کسی شخص کو بھی بیزاری اور تنفر نہیں ہو سکتا
اگر یہ درست ہے اور عزت طبعی کوئی اخلاقی جرم نہیں ہے تو کیا یہ نہیں کہا جاویگا کہ کسی
انسان کا دوسرے انسانوں سے [illegible] اپنی تعریف کا چاہنا بھی ایک اخلاقی کمزوری یا کوئی
ذلیل حرکت نہیں ہے دنیا میں رہ کر ہر ایک فرد بشر چاہتا ہے کہ دوسرے لوگوں کی نظروں
میں موقر اور محترم ثابت ہو +

جو لوگ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے اور دوسروں سے بھی اس کے خواستگار
ہوتے ہیں وہ اپنی ایک عملی غلطی یا طریق عمل کے برا ہونے کی وجہ سے دنیا کی نگاہوں میں
معتوب ہوتے ہیں و [illegible] وہ ایسی آرزوؤں کے دلدادہ اور مفتون ہیں کہ جو ہر ایک
انسان کے دل اور رگ و ریشہ میں خون کے ساتھ ساتھ دورہ کر رہی ہیں۔ ہر
شخص اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتا ہے وہ جلد بازی اور بے صبری کر رہا ہے اگر وہ
کچھ دیر اور ٹھہر جاتا اور جو کچھ اپنے منہ سے کہہ رہا ہے لوگ خود ہی اُس کا اعلان کرتے اور یہ
آپ سے جو یہ تکلیف یہ اٹھانی پڑی +

ایک کاریگر کا یہ حق ہے کہ اپنی کاریگری کی بابت مناسب الفاظ میں اعلان دے
اور لوگوں کو اُس کی ضرورتوں اور خوبیوں کی طرف توجہ دلاوے اور دنیا پر یہ بات

کرے کہ میں ایک اچھا کاریگر ہوں اور ہاتھ کا ستھرا ۔

ایک طبیب کا یہ حق ہے کہ اسے اصول طبیہ اور تجربہ کو لوگوں تک پہنچاوے اور یہ چاہیئے کہ عوام الناس اس کے کمالات اور تجربوں سے فایدہ اٹھائیں اور اس کے جوہر اور ذہن رسائی کی داد دیں ۔

ایک فلاسفر کہہ سکتا ہے کہ میری فلاسفی کی حد اور رموزیہ ہیں اور میں اجرام سماوی اور طبیعیات ارضی اور قوائے دماغی اور حسن ذہنی اور طاقت ہائے روحانی کو ان دلایل سے جانتا اور پہچانتا ہوں اور میں اپنے اسائے خاص پران حقایق کا انکشاف کر سکتا ہوں ۔

ایک نشانہ باز حق رکھتا ہے کہ یہ دعوے کرے کہ میرا ایک نشانہ خطا نہیں جاتا اور میری روتیر یہ ہدف ہے ۔

ایک بیرسٹر یا ایک وکیل یہ کہنے کا حق رکھتا ہے کہ میں زور بیان اور فصاحت تقریر سے مسایل قوانین کو عدالتوں پر بوجہ احسن واضح اور اچھے اچھے پوائنٹ پر دلچسپ بحثیں کر سکتا ہوں ۔

ان سب لوگوں کا یہ حق ہے کہ مخلوق سے اپنے اپنے کمالات کا معاوضہ چاہیں اور ان کو اپنا قایل کریں اور لوگوں کا فرض ہے کہ ایسا ہونے کی صورت میں داد دیں ۔

یہ آرزو اور یہ حق طلبی اس حالت میں موزوں معلوم دیتی ہے کہ جب ایسے شخص کے کمالات کا عملی ثبوت بھی ہو۔ اگر یہ خالی ڈھول بجایا جاوے تو پھر گویا معاوضہ بلا بدل کی آرزو کرنا ہے

یہ کہا جاتا ہے کہ بعض لوگ کسی قسم کی تعریف کے بھی خواہاں نہیں ہیں اور ان کے دلوں میں اس قسم کی کوئی بھی آرزو نہیں ایک غلط رائے اور ایک بلا بنیاد خیال ہے ہر ایک شخص کے دل میں دنیاداری کے اعتبار سے ایسی خواہش پائی جاتی ہے اور ضرور ہے کہ پائی جاوے جن پاک دلوں اور منتخب طبیعتوں میں اس قسم کے حالات نہیں دیکھے جاتے اس کی یہ وجہ نہیں کہ ان کے دلوں یا دماغوں میں ایسے حالات کا نشوونما نہیں ہوتا بلکہ یہ کہ ایسے لوگوں نے تمدن اور لاتعلقی کے

خیال سے ایسے خیالات کو باوجود پیدا ہونے کے روک کر یا دور کر دیا ہے آخر انسانوں
کو اس حالت میں لے آتی ہے۔

جو لوگ ایسی حالت رکھتے ہیں اور اُن کی سیر چشمی نے اُن کو اس درجہ
تک پہنچا دیا ہے اُن کے کمالات اور فضائل خود ہی لوگوں کو اُن کی طرف متوجہ
کرتے ہیں اور اس صورت میں ان کا رتبہ اور بھی چڑھتا ہے۔ دراصل لوگ
غلطی کھاتے ہیں کہ اپنے منہ سے اپنی تعریف کرتے یا اُس کے خواہاں ہوتے
ہیں نوع انسان آنکھ رکھتی ہے اور اس کے دل پر ہر ایک بُری بھلی حالت کا
اثر ہوتا ہے بولنے کے وقت خود بخود ہی بول اٹھتی ہے اور خاموشی کی
حالت میں خاموش رہتی ہے ایک اچھی سبزی اور اچھا نظارا شاعروں سے
کبھی درخواست نہیں کرتا کہ اُس کی تعریف کی جائے اور ایک بُری حالت
لوگوں کو منع نہیں کرتی کہ اُس کی برائی اور وحشت کا اظہار نہ کریں شاعروں
کی طبیعتیں خود ہی مدح اور ذم پر متوجہ ہوتے ہیں خود ہی تعریف کرتے ہیں
اور خود ہی مذمت شاعروں کی نازک خیالیوں کو کس نے اس طرف متوجہ
کیا ہے اور کون اُن کو اُن کوچوں میں لے جا رہا ہے خود سبزی اور سبزی کا
سماں اسی طرح انسان کی ہر ایک اچھی یا بُری حالت نوع انسان کو اپنی طرف
متوجہ کراتی اور اپنا حق حاصل کرتی ہے۔

جیسے خود اپنے منہ سے اپنی تعریف چاہنا اخلاقی کمزوری ہے ایسے ہی نوع انسان
کا کمالات اور فضائل کی داد نہ دینا اور نقائص کو نفرت کی نگاہوں سے نہ دیکھنا ایک
اخلاقی نقص ہے برائی کی مذمت اور اچھائی کی تعریف کرنا دراصل ایک حق دار کو
حق دینا ہے۔ لوگوں کے عمدہ خیالات اور صناعوں کی صنعت اور فلاسفروں کی
حکمت طبیبوں کی طبابت ماہروں کی مہارت کی مناسب الفاظ میں داد دینا اور
اُن کی قدر و منزلت کرنا اُن کے حوصلوں کو بڑھاتا اور دوسری مخلوق کو اُس طرف توجہ
دلاتا ہے۔ اگر نوع انسان خاموش رہے اور کمال اور ہنر کو بے ہنری کے پہلو میں
ہی رکھا جاوے تو دنیا میں ترقی کیونکر ہو سکتی ہے بلکہ آنکھیں رکھتی ہے اور نوع

ہر ایک انسان کی طاقت۔ شجاعت۔ حوصلہ۔ دوسرے سے مختلف ہوتی
ہے۔ یا ایسی نہیں ہوتی کہ جیسے اور لوگ سمجھتے یا محسوس کرتے ہیں ۔
شیراز کے مشہور شیخ سعدی نے ایک موقع پر کہا ہے بنی آدم اعضائے یکدیگر اند
شیخ مرحوم کا یہ گولڈن مقولہ ضروریات کی تحریک پر ہمیشہ سے اکسیر ثابت ہوتا رہا
اور تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ دنیا کی چار دیواری میں جب تک ایک انسان دوسرے انسان کا
عملی طور پر معین و معاون نہ ہو تب تک سوشیل اور تمدنی کاروبار نہیں چل سکتے او
نہ ہی انسانی جماعتیں اُن منازل کو طے کر سکتی ہیں کہ جن کا طے کرنا اُن کی حیات مستعار
کا اصلی راز ہے اس وقت دنیا کی گاڑی جن پہیوں اور جن پرزوں کے ذریعے
چل رہی ہے اور جس حکمت عملی سے اُس کی رفتار میں نومانیو ترقی اعلائی ہے وہ
پہیے اور وہ پرزے اور وہ رفتار ایک دوسرے کی عملی مساوات اور عملی سلوک
کا ہی اثر اور نتیجہ ہے ۔

اگر ایک شخص یا ایک فرد غلطی سے یہ خیال کرے کہ اُس کے کام کاروبار اور
تمام منصوبے صرف اسی کی حکمت اور حرکت سے چلتے اور نشوونما پاتے ہیں تو وہ
ایک خطرناک غلطی میں گرفتار ہے ۔

ایک جولاہے یا ایک آہن گر کا یہ کہنا اور ایک انجینئر کا یہ خیال کہ میں اپنا کام
صرف اپنی ہی حکمت اور اپنے ہی زور بازو سے چلا رہا ہوں اور میں ہی ان سب
موجودات کا موجد ہوں ایک سقم آمیز کمزوری ہے جولاہا اپنے کسب کے مفردات
اور آہنگر اپنی آہنگری کی ضروریات اور انجینئر اپنی انجینئری کو بامعان نظر دیکھے
اور پھر کہے تو کیا وہ یہ کہنے کو تیار ہوگا کہ صرف اُس کے ہاتھ۔ اُس کے دل و دماغ
نے ان تمام ضروریات اور کیفیات کو مہیا کیا ہے ۔

جس سوت سے جولاہا کپڑا بنتا اور جس لوہے کو آہنگر اپنے کام میں لاتا اور جن
پرزوں اور مواد سے ایک انجینئر ایک مشین تیار کرتا ہے وہ سب جدا جدا ہاتھوں
کی کاوش اور مختلف دماغوں اور دلوں کی ساخت اور تدبیر ہے ۔

بیسیوں دلوں اور بیسیوں ہاتھوں کی کوششوں اور تدبیر نے ان ضروریات کو

مہیا کیا ہے سب قوتوں کی اجتماعی طاقت سے حوالا۔ لوہار اور انجینئر کام لیتا ہے کیا کوئی انکار ہی سو ہیکتا ہے کہ دنیا کی سب ساختوں اور تندابیر کا انکام اکثر قوتوں اور اکثر حالات کا اثر نہیں ہے۔ کیا کوئی کہ سکتا ہے کہ میں اکیلا ہی ان سب ایجادات کا موجد ہوں۔

ایک ہاتھ دوسرے ہاتھ کا محتاج ہے اور ایک قوت دوسری طاقت کی دست نگر ایک آنکھ دوسری آنکھ کے نظاروں سے استفادہ کرتی ہے اور ایک کان دوسرے کانوں کی باتوں کو حفظ کرتا اور اُن سے ایک نتیجہ خیز اصول نکالتا ہے کون ہے کہ جو ان باتوں سے انکار کر سکتا ہے اور کون ہے کہ جو ان امور اور ان واقعات کی تصدیق نہیں کرتا۔

باوجود ان سب باتوں اور ان تمام تعلقات کے انسان کی عملی صورتیں اور عملی تعلقات بعض اوقات سخت رولیدہ اور پیچیدہ ہو کر ناگفتہ بہ پیچیدگیاں پیدا کر دیتے ہیں جن سے سوشل اور تمدنی معاملات میں تنگی اور ابتری باہمی ہو کر تکلیف دہ نتائج پیدا ہوتے ہیں یہ پیچیدگیاں صرف اس واسطے پڑتی ہیں کہ ایک انسان دوسرے انسان کی استعداد، بساط، حیثیت اور طاقت کو دریافت نہیں کرتا اور نہ ہی مناسب غور کے بعد حکم لگاتا ہے یا اپنی ذات پر وہم اور قیاس کر کے نتیجہ نکالتا ہے

یاد رکھو کہ جیسے انسانی مراتب مختلف ہیں ایسے ہی اُن کی کیفیات اور استعدادیں اور حیثیات مختلف ہیں اگر ایک طاقت دس من بوجھ اٹھا سکتی ہے تو ضرور نہیں ہے کہ دوسری طاقت دس من ہی اٹھاوے ہر ایک اپنی طاقت کے موافق کام کرتا ہے نہ کہ دوسرے کے سہارے پر۔

متحدہ اور معین جماعتوں میں سے دوستوں اور مخلصوں کی جماعت دنیا میں بہت کچھ سود مند اور زبردست ثابت ہوئی ہے قدرتی رشتے اور نسبتیں اگرچہ زیادہ مضبوط خیال کی جاتی ہیں لیکن محبت اور اخلاص کے رشتے اُس سے بھی زیادہ پائدار اور محکم ہیں گو ان کو کثرت حاصل نہیں اور ان میں ظاہر داری کو بہت دخل ہے مگر پھر بھی جہاں جہاں یہ حالتیں ہیں اُس کا اخلاص اُن کی محبت اُن کی ہمدردی جو لی رشتوں نسلی نسبتوں سے کہیں زیادہ ہے۔ باوجود اس کے کہ ایسے تعلقات دلوں

سے تعلق رکھتے اور ایک اٹل معاہدہ ہوتے ہیں پھر بھی ان میں ابتری اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مخلص دوسرے مخلص کا شاکی نظر آتا ہے اور کبھی کبھی ایسی شکایتیں عداوتوں اور رنجیدہ کاوشوں تک بھی جا پہنچتی ہیں۔ خونی رشتوں اور نسلی نسبتوں کی عداوتیں اس قدر مضر ثابت نہیں ہوتیں کہ جس قدر اخلاصی رشتے نقصان رساں اور اور تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اگرچہ اس ابتری اور اس تکلیف کے اور لوازمات بھی ہونگے لیکن ان کا اکثر حصہ ایک دوست کا دوسرے دوست کی واقعی حالت سے بے خبر ہوتا ہے یا باوجود خبر اور علم کے اس واقعی حالت کے خلاف کرتا ہے۔ بعض اوقات دوستیاں کیونکر ٹوٹ جاتی ہیں اور تمدن اور معاشرت کی خوبی و عمدگی میں کیوں فرق آجاتا ہے۔ ایک مخلص باوجود اخلاص کے کیوں چشم زدن میں خلاف ہو جاتا ہے۔ اور ایک دوسرے کی نسبت کیوں زبان شکایت دراز ہوتی ہے۔ صرف اس وجہ سے ایک دوست دوسرے دوست کی بضاعت اور استطاعت کے خلاف خواہش کرتا ہے اور اس سے وہ بات چاہتا ہے کہ جو اس کی طاقت سے باہر ہوتی ہے یا بد حالات موجودہ جس کو وہ پورا نہیں کرسکتا ہے۔

ایک مخلص خوش قسمتی سے دس سیر بوجھ ہے اٹھا سکتا لیکن اس کا مخلص بجائے اس سیر کے اس سے دس من اٹھوانا چاہتا ہے اس کا نتیجہ سوائے اس کے اور کیا ہو سکتا ہے کہ یا وہ ضعیف الخلقت مخلص بوجھ اٹھا کر اپنی گردن توڑ دیگا یا ایسے مسرف مزاج مخلص کو جواب دیکر چلتا ہوگا۔

ایک بلاٹنگ پیپر سیاہی کو تو چوس سکتا ہے لیکن ایک ندی کو کبھی نہیں چوس سکتا ایک راجس چاقو قلم تو تراش سکتا ہے لیکن عمارت کے واسطے پتھر نہیں گھڑ سکتا ایک حکیم کہتا ہے جو چیز قدرت نے جس غرض کے واسطے بنائی ہے اس کا استعمال اسی غرض کے واسطے کرو۔ اس کا الٹ استعمال تمام سوئے تدبیروں کی ایک سوئے تدبیر اور تمام گناہوں کا ایک گناہ ہے۔ ہمدردی اور دوستی اور اخلاص میں تمام خوبیوں اور تمام عمدگیوں کی بنیاد ہے کہ کسی ذات یا کسی شخص کو ایسی تکلیف نہ دی جاوے کہ جو اس کی طاقت سے زیادہ اور اس کی حالت اور حوصلہ سے باہر ہو۔ ورنہ ایک سبق گاہ

ہے اور ترتیب ہر ایک شے کے اپنے اپنے محل پر رکھنے کا نام ہے اور پھر ایک سلسلہ سے
اس ترتیب کو آخیر تک ملحوظ رکھنا ۔

جو شخص ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھتا وہ ہر ایک فروتنی کے مقابلہ میں ایک تکلیف
مالایطاق کا مرتکب ہوتا ہے۔ اس امر کا فیصلہ کہ کوئی دوسرا شخص اپنے حوصلہ اور اپنی
طاقت سے زیادہ کا متحمل نہیں ہو سکتا اور اس کو اس پر مجبور کرنا ناخوش کرتا ہے اس
طرح ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی ذات پر قیاس کر کے دیکھے اور سوچے کہ کیا وہ اپنی طاقت
سے بغیر کسی خاص وجہ کے زیادہ کام دینے کو تیار ہے اور اس کو وہ پسند کرتا ہے ۔

اگر کوئی مخلص یا کوئی دوست جو اپنی تکلیف سے گھبراتا اور دل چراتا ہے تو پھر باوجود
اخلاص اور محبت کے کیوں اوروں سے امید رکھتا ہے اور اس نامناسب امید کے نہ پورا
ہونے کی وجہ سے کیوں ناراض اور کشیدہ خاطر ہو جاتا ہے۔ تم جس گز اور جس پیمانہ سے
خود نپوائے ہو اسی سے دوسروں اور دوستوں کی کمی ناپ کر دو۔

جو شخص تم کو مار سکتا ہے وہی دوسرے کی جان بھی لے سکتا ہے۔ اور چونکہ دوستی
ایک قیمتی سرمایہ ہے اخلاص ایک نازک حالت ہے۔ جو دوستوں میں سے دو چار
دوست بھی مخلص اور باوفا نہیں نکلے۔ دنیا میں واقف اور روشناسی بہت ہے
لیکن اخلاص اور سچی دوستی کمیاب ہی نہیں بلکہ نایاب ہے اسی قیمتی اور نایاب طاقت کو
یوں خراب کر دینا ایک خطرناک غلطی ہے۔ تم اپنے دوستوں کو انہیں باتوں اور
انہیں خدمتوں پر مجبور کرو کہ جن کو وہ اٹھا سکتے ہوں ان سے وہی چاہو کہ جسے
وہ عمدگی سے پورا کر سکیں۔ اور اس کے مقابلہ میں ہر مخلص ثانی کا فرض ہے کہ
[illegible] وہ جس سے دوستوں کی خدمت پر تیار رہے اور اس سلسلہ کو آخر
تک نباہے جائے ۔

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست ۔ در پریشاں حالی و درماندگی

اوپر کے شعر میں شیخ مرحوم نے حسن معانی اور حسن نظم میں دوستی کی تعریف
کی ہے وہ ایک بڑا وسیع مضمون یا مفہوم ہے بیشک دوست وہی ہے کہ جو خستہ
حالی اور درماندگی میں دوسرے دوست کی خبر لیتا اور اس کی مدد کا باعث ہوتا ہے

جو ایسا نہیں کرتا وہ دوست نہیں بلکہ محض ایک واقف یا روشناس لیکن یہ مطلب بھی نہیں کہ ایک دوست دوسرے دوست کو اُن تکالیف کا متحمل کرے کہ جن کو وہ اُٹھا ہی نہیں سکتا اور پھر اُس کا تاکی ہو ۔

مصیبت اور تکلیف کا کوئی وقت نہیں اور آفتیں پوچھ پوچھ کر نہیں آتی ہیں چشم زدن میں بڑی بڑی طاقتیں اسی حالت سے گر جاتی ہیں اور ایک ہی رد میں سارا کرّو فر اور رامارت اور جوش جاتی او ٹرجاتی ہے ایسے وقتوں میں سگے اور قریبی بھی منہ موڑ لیتے ہیں اور دنیا کا کچھ اور ہی رنگ ہو جاتا ہے ۔ لیکن صادق اور وفادار دوست ان وقتوں میں کچی پوری اور سچی مدد اور راہنما ثابت ہوتے ہیں اگر وہ ایسے وقتوں میں خاموشی اور پہلو تہی اختیار کریں تو دشمنوں سے بدتر ہونگے ۔

وہ کون انسان اور وہ کون بشر ہے کہ جو یہ کہہ سکتا ہے کہ میں کبھی کسی کا محتاج اور دست نگر نہیں ہوا اور مجھپر زمانہ نے ہاتھ اُٹھانے کی قسم اُٹھائی ہے نزول آفات کے وقت ہر ایک بشر دوسرے کا محتاج ہوتا ہے اور ضرورت ہوتی ہے کہ لوگ اُس کی امداد کریں جن لوگوں کو ایسی ضرورت ہے اُن کا حق ہے کہ بالخصوص احباب سے التجا لے جائیں اور اُن سے امداد چاہیں اور احباب مخلص کا فرض ہے کہ مدد دیں یہاں تک تو یہ اصول اچھا اور قابل تعظیم ہے کہ ایک انسان دوسرے کی مدد کرے اور ایک دوست دوسرے دوست کے لئے ایک قوی سہارا ثابت ہو اور ہر ایک مخلص اخلاص کے مفہوم کو عمل میں لاکر دکھا دے ۔

جیسے کہ اور انسانی تصرفات میں غلطیاں ہو کر فساد کا باعث ہوتی ہیں ایسے ہی عمل اخلاص یا طلب اخلاص میں بھی غلطیاں اور فروگذاشتیں سرزد ہوتی رہتی ہیں بعض احباب نے دوستی کے مفہوم کو خودغرضی کے مرادف سمجھ رکھا ہے ۔ اور بعض دوسرے دوستوں کے مقابلہ میں اپنے اغراض کو بہر صورت مقدم سمجھتے ہیں چاہے دوستی جاوے لیکن اُن کی ذاتی غرض مقدم رہنی چاہئے ۔ دوستوں سے فرمائشیں کرو اُن سے مدد چاہو اُن کے اخلاص سے کام لو اُنکو

ایسا بار وہ سمجھو لیکن اُن کی تکلیف اُن کی صحت کا باعث ہو کر دِل کے ساتھ اُن کو
شرمندہ کرنے کی کوشش کرو۔ بیشک ایک شخص ہمارا شریف دوست ہے لیکن اُس کی
شرافت اُس کا اخلاص یہاں تک تو متحمل نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنی طاقت سے زیادہ بوجھ
اُٹھا سکے وہ اُٹھانے کو تیار ہے لیکن اس غریب کی گردن ٹوٹ کر رہیگی

ایک شخص حیا اور شرم کے مارے تمہاری فرمائشوں کو مانتا جاتا ہے اور تم ایک
گول کی طرح اسے دھکا دیتے آگے ہی بڑھتے جاتے ہو کیا یہ عمل درست ہے کیا اس سے
تمہارے غریب دوست کی اصلی طاقت قایم رہ سکتی ہے کیا تم اپنے ایسے اعمال سے
اپنے دوستوں اور اپنے احباب کو خوش کر سکتے ہو یا تمہارا خود خلوص اخلاص قایم
رہ سکتا ہے ؛

اگر تمہارا یہ عمل ہے تو یہ اخلاص نہیں ہے بلکہ ایک دھوکہ اور فریب کاری۔ مخلص
اور شریف دوستوں کو ایسے خیالات سے قطعی مجتنب ہونا چاہئیے۔ کیونکہ یہ عمل دوستی
کو ناس کرتا ہے ؛

جن دوستوں اور جن احباب کو خدا نے شرف اور زیادہ استطاعت اور حوصلہ
بخشا ہے اُن کا بھی یہ فرض ہے کہ وہ شیخ مرحوم کے قول پر عمل کریں اور ہر ایک
دوست کے واسطے مصیبت کے وقت اور ضرورت کے وقت حتی الامکان
باراں رحمت ثابت ہوں قبل اس کے کہ وہ شرم سے اپنی زبان کھولیں اور اُن
سے امداد کے خواہاں ہوں۔ اُن کی معاونت اور ہمدردی کا سامان کریں۔ اور
اُن کے واسطے ایک دائم ابر رحمت ثابت ہوں ایک مخلص دوست سگے بھائی سے
زیادہ تر عزیز ہوتا ہے سگا بھائی شراکت کی وجہ سے انحراف کر سکتا ہے لیکن ایک
مخلص دوست کے واسطے ایسا کرنا ایک شرمناک غلطی ہے جس کا جواب دہ
اُسے ضرور ہونا پڑیگا ؛

پاکیزگی

ایک حکیم کا قول ہے کہ شاید کوئی ہی دنیا کی ایسی حالت ہو کہ جس کے دو پہلو

دنیا میں ایک پہلو یا ایک جہت سے ایک حالت کچھ اور معنی یا اثر رکھتی ہے اور دوسرے
پہلو یا جہت سے وہی حالت کسی اور معنی یا اثر پر محمول کی جا سکتی ہے۔ اس اصول
سے اگر ہم دنیا کی مختلف حالتوں پر گہری نگاہ ہوں اور غور کی آنکھوں سے دیکھیں تو
ہمیں پتہ لگ جاویگا کہ فی الواقعہ دنیا کی اکثر حالتیں مختلف پہلو رکھتی ہیں اور ان مختلف
حالتوں میں سے بعض حالتیں واقعی ایک عمدہ اور مستحب حالتیں ہوتی ہیں اور بعض
کا درجہ اُن سے بہت کم یا کسی اور مفہوم اور اثر کا ہوتا ہے پاکیزگی کی ہر ایک مذہب
اور ہر ایک ملت میں تعریف کی گئی ہے خواہ کوئی شخص کسی مذہب کا قایل ہو یا آزاد
خیال رکھتا ہو اُس کے نزدیک بھی پاکیزگی کا وجود تسلیم کیا گیا ہے +

پاکیزگی کو مذہبی تحقیقوں کے اعتبار سے خواہ کسی طور پر ہی مانا جاتا ہو مگر اصولی جہت
سے ہر ذی شعور کے خیال میں پاکیزگی کا وجود قابل تعظیم ہے ہر ایک شخص خواہ وہ
کسی خیال کا ہو یہ خواہش رکھتا ہے اور مخلوق اُس کو ہر جہت سے پاکیزہ تسلیم
کرلے اور پاکیزگی کی نسبت سے اُس پر کوئی اعتراض نہ کیا جاوے +

گو لفظ پاکیزگی کے معنی یا مطلب کو ہر ایک زبان یا خیال کے موافق اور معنوں
میں ظاہر یا تاویل کیا جاتا ہو لیکن اس کے مفہوم کا معیار اور حالت سب کے نزدیک
یکساں ہے +

مذہب اور دین والوں نے اس کو نیکی اور خداترسی یا مذہب پرستی کے نام
سے ظاہر کیا ہے اور اخلاقی عالموں نے اس کا نام حسن اخلاق کی پیروی اور تہذیب
کہا ہے جو لوگ فلسفہ سے محبت رکھتے ہیں اُن کے خیال میں اس طریق عمل کا نام
روشن ضمیری ہے گو دنیا والوں نے مختلف راہوں سے اس منزل کو طے کیا ہے
مگر دراصل منزل ایک ہی ہے +

جب اخلاقی قوتوں یا خیالات کی نسبت بحث ہو تو اُس حالت میں ہمیں ان
معمولی اختلافات کو چھوڑ دینا چاہئیے کیونکہ ایک ہی منزل کے ممکن ہے کہ بہت سے
طریق اور راہیں ہوں یہ تو مان لیا جاویگا کہ شاید اُن راہوں میں سے بعض راہیں
مقابلتاً صاف اور سیدھی ہوں مگر جب ہر ایک راہ باوجود ایسی دقتوں اور ضعف

ایک سیدھی اور صاف راہ ہے تو ہمیں مذہب کے معنوں میں ہی پاکیزگی پر بھی بحث
کی جانی چاہئیے ۔

جب مذہب ہر ایک شخص کو تاکید کرتا اور زور سے سکھاتا ہے کہ اُسے پاکیزہ رہنا
چاہئیے جہاں مذہب نے انسان کے معاملہ میں پاکیزگی کا لفظ استعمال کیا ہے وہاں
اُس کے تمام اقسام اور پہلوؤں کو لے لیا ہے ۔ جو شخص کسی مذہب کا قایل نہیں ہے
ممکن ہے کہ وہ بعض قسم کی پاکیزگیوں کو درکنار کر کے ان مضمون پر توجہ اور بحث کرتا
ہو لیکن جس کا دل مذہب کے نور سے روشن ہے ۔ وہ ہر ایک قسم کی پاکیزگی سے
بحث کریگا ہر ایک مذہب یہی تعلیم دیتا اور یہ سکھاتا ہے "

پاکیزہ ہو اور پاکیزگی اختیار کرو ۔

مذہب ایک بات ہی ہے خواہ وہ کسی ملک سے نکلی ہو اس کی پہلی آواز یہی
ہے کہ انسان تو پاکیزہ ہو اور پاکیزگی اختیار کر "

جن لوگوں نے اس پہلی آواز پر دھیان لگایا اور دل و دماغ سے غور کیا ہے
وہ پاکیزگی کی تلاش میں غور کرتے اور سوچتے ہیں اور جن لوگوں کے دلوں نے اسے
صرف ایک آواز ہی سمجھا ہے اب تک ان کے دماغوں میں کوئی اثر نہیں ہوا
ہوا ہے ۔

پاکیزگی کی کئی الگ قسمیں ہیں ۔

بدن ۔ عوارض بدن ۔ اسباب عوارض بدن ۔ مکان ۔ حالت ۔ ماکولات
مشروبات ۔ ملبوسات ۔ دیگر تعلقات ۔ اور دل و دماغ ۔ تو ان سب کو پاکیزہ رکھنا
یہ سب پاکیزگیاں ہیں ۔

اور ان سب کی بابت دنیا کی ہر ایک لٹریچر اور ہر ایک طاقت خواہ وہ مذہب
ہو یا کچھ اور تاکید کرتی ہے ۔

ہر ایک انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر ایک طرح سے صاف اور پاکیزہ
رکھے ۔ اُس کا بدن ۔ اُس کا لباس ۔ اُس کا مکان ۔ اُس کے دیگر تعلقات جب تک
پاکیزہ نہ ہوں تب تک دراصل وہ انسانیت اور لازمہ انسانیت سے دور پڑا رہتا ہے

اور لازم ہے ۔

بڑے بڑے پاک خیال مولفوں یا مصنفوں، بڑے بڑے فاتح اور لیڈروں بڑے بڑے بادشاہوں اور حاکموں بڑے بڑے جوانوں اور شہزوروں کی صوری و معنوی طاقتوں کا ہمیں دل سے اعتراف کرنا لازمی ہے ۔

مگر یہ سب بڑائیاں اور یہ سب امتیازات اُس وقت تک محض ہیچ ہیں کہ جب تک وہ پاکیزگی جو مذہب سکھاتا ہے اور جو فلسفہ کی اعلیٰ تعلیم ہے۔ انسان کو حاصل نہ ہو۔

یہ سب پاکیزگیاں ظاہری صفائیاں اور سراب نما شہرتیں ہیں ان کی بنیاد چند روزہ اور اُس کے فوائد خیالی اور نسبتی ہیں یہ درست ہے کہ ان میں بھی ایک طاقت ہے مگر اگر غور کرو تو یہ سب کچھ اُس پاکیزگی کا حاشیہ ہیں کہ جو اس زندگی کا اصلی مفہوم اور واضح مفاد ہے،

اس بارہ میں مذہب ہمیں کیا سکھاتا اور کیا تعلیم دیتا ہے ۔

مذہب یہ سکھاتا اور یہ تعلیم دیتا ہے

"جو انسان دل کا پاکیزہ اور صاف نہیں ہے اور جس کی قوت ضمیری میں بجائے نور کے ظلمت کا مسکن ہے وہ کسی حالت میں بھی پاکیزہ نہیں ہے۔ ہر ایک قسم کی پاکیزگی اسی حالت میں پاکیزہ کہی جا سکتی ہے کہ جب دل صاف اور نورانی ہو"۔

مذہب کہتا ہے پہلے تم دل کو صاف کرو اور پھر اور صفائیوں کی جانب رجوع لاؤ

مذہب کا بڑا بھاری اصول دلی یقین ہے اور دلی یقین اس وقت تک بے سود ہے کہ جب تک دل میں نور نہ ہو اور نور اُس وقت پیدا ہو سکتا ہے کہ جب دل بھی صاف اور پاکیزہ ہو

انسان کے عملوں اور واقعات کا فیصلہ اور ثمرہ ہمیشہ نیت پر ہوتا ہے اور نیت کا تعلق اُس کی قوت ضمیری سے ہے جب تک قوت ضمیری پاکیزہ نہ ہو تب تک یہ کیونکر کہا جا سکتا ہے کہ کوئی شخص دل سے بھی پاکیزہ ہے اس میں کچھ بھی شک نہیں ہے کہ انسان کے اجلے کپڑے اور ستھرا بدن اور موثر باتیں اور دلکش جلے ضرور اوروں کو گرویدہ بنا دیتی ہیں مگر ان میں جب تک روحانی جوہر کی طاقت اور تاثیر نہ ہو تب تک یہ سب کا سب سامان سراب نما ہیں ۔

اگرچہ ایک سکہ اوپر سے سنہری ہو مگر تا وقتیکہ اُس کے اندر کھوٹ نہ ہو تب تک اُسے طلائی نہیں کہا جاویگا اور نہ ہی وہ بازار میں اچھی قیمت پا سکتا ہے ۔

پاکیزگی دل میں پیدا ہو سکتی ہے اور دل اس کا عادی بنایا جا سکتا ہے لیکن اس حالت میں کہ جب ہم اصول پاکیزگی کے قائل ہوں مذہب ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ تمام قسم کی پاکیزگیاں صرف اُس حالت میں کامیابی سے حاصل ہو سکتی ہیں کہ جب دنیا میں ایک بڑی طاقت اور اعلیٰ قوت کی تعظیم کی جاوے اور اُسے ہر ایک وقت میں حاضر و ناظر اور متصرف سمجھا جاوے ۔ مذہب نے اُس طاقت کا نام "خدا" رکھا ہے پس سب سے اول لازمی ہے کہ ہم سادگی سے خدا کے وجود کے قائل ہوں۔ کیونکہ ہر ایک قسم اور حصہ کی دلی پاکیزگی کی بسم اللہ یہیں سے شروع ہوئی ہے ۔ اور سب پاکیزگیوں اور نیکیوں کی بنیاد وہی ہے ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو لوگ خدا کے منکر ہوتے ہیں وہ بھی اخلاقی طور پر دلی پاکیزگی کے قائل اور معترف ہیں اور اُن میں اس تمیز کی روح ہے مگر در اصل اُن کی پاکیزگی بے بنیاد اور خالی ہے اور اس کو کوئی قیام اور بقا نہیں کیونکہ وہ ایسے چشمہ سے نکلی ہے کہ جو خود فانی اور مخلوق ہے ۔ اور جس پاکیزگی کی تعلیم مذہب دیتا ہے وہ غیر فانی چشمہ سے آئی ہے اور ابدی و ازلی ہے یہی فرق ہے جس نے مذاہب اور منکران ذات واحد کو جدا کر کے دکھایا ہے ۔

بیرونی اور فانی پاکیزگی انسان کو بیرونی اور بے اثر مزاؤں پر لاتی ہے لیکن اندرونی اور حقیقی و غیر فانی پاکیزگی ہمیں وہ باتیں سکھاتی ہے کہ جو ہمارے علم اخلاق کی بنیاد اور فلسفہ کی جڑ ہیں ۔

جس کا دل صاف نہیں اور جس کی قوت ضمیری میں ظلمت ہے اور جس کا باطن کدورت بھرا ہے اُس کا ہر ایک کام خواہ نیک ہو اور بظاہر حقیقتاً ملمع کا اور سراب صفت ہے نہ تو لوگوں کو اُس سے اطمینان ہے اور نہ ہی خود اُس کو اوروں سے تسلی ہے

جو شخص دل صاف نہیں رکھتا ہے وہ ایک ایسے مرض میں مبتلا ہے کہ جس کا علاج گو خود اُس کے ہاتھ میں ہے مگر اُس کی بد قسمتی اور کور باطنی کچھ کرنے نہیں دیتی ہے

جس قدر مدت سیاحت زندگی میں گذری اس کا تمام حصہ کور باطنی اور کور چشمی سے معمور تھا ۔

خداوند کریم نے ہمیں جو عقل اور قوت تمیزہ دی ہے کوئی وجہ نہیں کہ ہم اپنے سفر زندگی کے اغراض سے محض نابلد رہیں اگر ہم غور کی آنکھوں سے دیکھیں اور تمیز کانوں سے سننے لگیں تو ہمیں معلوم ہو جاویگا ۔ کہ اس سفر میں کون کون سی منزلیں دلچسپ ہیں اور کن کن میں تنگی اور صعوبت ہے کہاں ٹھہرنا چاہئیے اور کہاں نہیں ۔ کون منزل اعلیٰ ہے اور کون اوسط و اسفل اور سب سے اعلیٰ مقصد ہمارے اس سفر کا کیا ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور اس کا اندازا ہم کس منزل پر پہنچکر کر سکتے ہیں ۔

جن لوگوں اور جن حکیموں نے سلسلہ حیات انسانی پر بحث کی ہیں اُن کے اور دیگر عام لوگوں کے اس بارہ میں مختلف خیالات ہیں کہ انسان کی زندگی کا اعلیٰ مقصد کیا ہے ۔

کوئی کہتا ہے جس انسان کو خوشی حاصل ہے وہ اعلیٰ مقصد پر فائز ہے کوئی کہتا ہے اعمال دینوی کی ڈگری پانا اعلیٰ مقصد ہے کسی کے خیال میں حکومت کا وارث بننا اعلیٰ منتہٰی ہے کوئی کہتا ہے انصاف کرنا اور مخلوق کا اُس سے بہ رحم دلی پیش آنا اعلیٰ غرض ہے ۔

کوئی کہتا ہے خدا پرستی اور عبادت اللہ اعلیٰ منتہٰی اور خلاصہ زندگی ہے ۔ کسی کی رائے میں قومی ہمدردی اور ملکی دل سوزی غرض اعلیٰ ہے ۔

بعض کے خیال میں جس جس طرف زندگیوں کا میلان اور رجحان ہو وہی ان کی اعلیٰ غرض اور اعلیٰ منتہٰی ہے ۔

واقعی بحث کے میدان میں آکر یہ سوال کہ انسان کی زندگی کا اعلیٰ منتہٰی کیا ہے بہت ہی ادق اور بحد ارتباط ہوتا ہے اور ابتدائی نظروں میں نہیں کہا جا سکتا کہ ہماری زندگیوں کا اعلیٰ منتہٰی نہ نامعلوم ہو جانا چاہئیے ۔ بعض حکیموں نے یہ بحث کی ہے کہ ہر ایک انسان کی زندگی کی اگرچہ کوئی غرض خدا گانہ ہوتی ہیں لیکن کل نوع انسان کی زندگیوں کی ایک غرض مشترکہ بھی ہے جو غرض مشترکہ کل نوع انسان کی ہے وہی غرض ہر ایک انسان

کی سعی و اہ زندگی کا اعلےٰ منش ہونا چاہئیے ۔

اس بحث کے سلسلہ میں یہ مشکل حائل ہوگی کہ کل نوع انسان کی زندگیوں کی غرض مشترکہ کیا ہے اور کیونکر ایک غرض مشترکہ تمام مجموعہ عالم کی ہو سکتی ہے ۔

ہماری راستہ میں جن لوگوں نے یہ ادق راہ اختیار کی ہے وہ منزل مقصود پر نہیں پہنچ سکتے اگر ہم اس امر کو تسلیم کر بھی لیں کہ تمام نوع انسان کی زندگیوں کی درحقیقت ایک ہی غرض مشترکہ ہر ایک زندگی کا اعلیٰ منش ہو سکتی ہے تو اُس حالت میں بھی ہمیں یہ کہنا پڑیگا کہ تمام نوع انسان کی غرض مشترکہ کا وجود معدوم ہے ہم فرضاً اس امر کو مان لیتے ہیں کہ مجموعہ حیات نوع انسان کی ایک غرض مشترکہ ہے لیکن یہ ماننے کو تیار نہیں ہیں کہ وہی غرض مشترکہ ہر ایک انسان کی سعی و اہ زندگی کا اعلیٰ منش بھی ہے

۔ اشکال اس واسطے عاید ہوتا ہے کہ اس غرض مشترکہ کے وجود کا بھی حاصل کیا جانا مشکلات ، عاید کرنے کے بغیر نہیں رہتا ۔

جب ہم یہ سوال کرتے ہیں کہ تمام نوع انسان کی زندگیوں کی غرض مشترکہ کیا ہے تو اس سوال کا جواب قریباً انھیں الفاظ میں ملنے کی امید کی جا سکتی ہے کہ جس کو ہم نے مختلف اقوال بالا میں فرداً فرداً ظاہر کیا ہے اس حالت میں کبھی کوئی کہیگا کہ نوع انسان کی غرض مشترکہ یہ ہے اور یا یہ ہونی چاہئیے ۔

اس سوال کے حل کرتے وقت ہمیں اور سب کوچوں کو چھوڑ کر سب سے اول انسانی زندگیوں کے میلانوں اور رجحانوں کو دیکھنا چاہئیے اور اُن میں سے اُن میلانوں اور رجحانوں کو جدا کر دینا چاہئیے کہ جو نوع انسان کی عام صداقتوں اور مصدقہ واقعات سے جدا اور مخالف ہوں ۔

جو میلان اور جو رجحان صداقتوں کے سلسلہ میں منسلک ہوں ان کو ایک مجموعی صداقت قرار دیا جاوے اور یہ سمجھا جاوے کہ انسانوں کے مجموعہ زندگی کا یہ ایک لب لباب ہے اور اسی مجموعہ صداقت کی نسبت یہ خیال کیا جاوے کہ وہی ہر ایک انسان کی زندگی کا اعلےٰ منش اور اعلیٰ غرض ہے تمام نوع انسان کی زندہ اور مُردہ صداقتیں اور مسلمہ واقعات جن میں مذہب ۔ فلسفہ ۔ اخلاق ۔ سائنس اور تجربی نظایر

بھی شامل ہیں۔ ایک راہ دکھلاتے اور ایک منزل پیش کرتے ہیں۔ اُس منزل پر
پہنچ جانا اور اُس منزل کی راہ اختیار کرنا ایک اعلیٰ شئے ہے۔ انسانی زندگی کے دو
پہلو ہیں ایک پہلو میں صداقتیں اور مسلمات نوع انسان پائے جاتے ہیں اور دوسرے
میں باطل زندگی اور وہ واقعات کہ جنہیں نوع انسان نے متروک کر رکھا ہے پہلی
تصویر انسان کی زندگی کا اعلےٰ مقصد ہے اور دوسری وہ کہ جو اُس کے کمالات،
انسانی اور روحانی و جسمانی عروج کے مخالف ۔

اگر قومی ہمدردی نوع انسان کے ارادوں اور مسلمات کے موافق ہے تو وہ
ایک اعلیٰ شئے ہے اور اگر خدا پرستی نوع انسان کی صداقتوں میں داخل کی گئی ہے
تو وہ بھی ہماری زندگی کی اعلےٰ غرض ہے۔ اگر حکومت اور اقبال پیدا کرنا اور اُس کو
اپنی قیمتی زندگی کا ذخیرہ اور پیش خیمہ نوع انسان کی صداقتوں میں شریک نگاہوں
سے دیکھا گیا ہے تو درحقیقت اسے زندگی کا اعلےٰ مقصد قرار دینا ایک خطرناک
غلطی ہے ۔

اگر کفران نعمت اور ترک سلسلۂ علت العلل نوع انسان کے مجموعی فتوی
کے مطابق ہے تو اُس کا اختیار کرنا اور اُس کی تصدیق کرنا واقعی صداقت سے بعید
اور مقصد زندگی سے کوسوں دور ہے ۔

مجموعۂ عالم کے چند طبیعتوں کے خطرہ اور اجتہاد کو تمام نوع انسان کا مجموعی فتوی
نہیں کہا جا سکتا اگر چند اشخاص اس نامبارک اور شرم دلانے والی راہ میں جا رہے
ہیں تو اُن کا نقش قدم دنیا کی تمام زندہ اور مردہ صداقتوں اور مسلمات اور اجتہادوں
کو ملیا میٹ نہیں کر سکتا

بعض وقت انسان ایک بُرائی کی تقلید کرتا اور اُس کا عامل ہوتا ہے لیکن
اُس کا دل اُس پر شہادت نہیں دیتا اور وہ خوب جانتا ہے کہ گمراہی کی پیروی کر رہا
ہے ایسے ہی تمام نوع انسان کے وجود مجموعی کی [illegible] اپنی ناسمجھی کی جہت
سے بعض غلطیاں کریں تو اُس کا یہ نتیجہ یا یہ اثر نہیں ہو جانا چاہئے کہ اُس مجموعہ کی دیگر
صادق قوتوں کے عمل اور فعل کو خلاف صداقت اور خلاف واقعہ سمجھا جاوے

جس دروازہ سے نوع انسان کا مجموعہ منزل مقصود کو جاتا ہے اور اس میں داخل
ہوتا ہے اُس کے مبارک پھاٹک پر جلی قلم سے لکھا ہے کہ اس مجموعہ نوع انسان نے
ان ان باتوں اور ان ان عملوں کو صداقت مانا ہے اور ان ان کو صریح بطالت
اس پھاٹک کی جلی پیشانی پڑھو اور اُس پر غور کرکے اندر چلے جاؤ پھر تمہیں اپنی زندگی
کا اعلیٰ مقصد مل جاویگا اور تم جان جاوگے کہ ہمیں اس سفر میں رہ کر کن کن باتوں پر
عمل کرنا چاہئے اور کن پرہیز اور ہماری منزل مقصود کس قدر دور ہے اور اُس تک
جانے کے لئے کس کس سامان اور کس کس چیز کی ضرورت ہے۔ اگر نیکی کرنا۔ دوسروں
کے ساتھ ہمدردی اور مروت سے پیش آنا اپنی قوم کو چاہنا اور اس پر فدا ہونا اور
اُس کی عزت کرنا انسان کے ساتھ بہ رحم دلی برتنا بیکسوں اور ضعیف زیردستوں سے دلسوزی
کرنا خدا پرستی اور خدا شناسی مذہب پرستی اور مذہب شناسی نیکیاں اور خوبیاں و
عمدگیاں خیال کی جاتی ہیں اور نوع انسان کے مجموعہ نے مختلف طریقوں سے ان امور
کو صداقتوں میں داخل کر لیا ہے تو جان لو کہ یہی امور ہماری زندگی کا اعلیٰ متن
اور ہمارے سلسلہ حیات کا اعلیٰ جزو ہیں +

تعجب

سارے عقدے اک توجہ سے سرسے حل کر دئے
پیشوائے منزل مقصود ایسا چاہئے

مختلف زبانوں کی ڈکشنری میں بہت سے ایسے الفاظ پائے جاوینگے کہ جو اپنی
ظاہری ترکیب اور معانی یا مفہوم کے اعتبار سے چنداں تعجب خیز نہیں سمجھے جاتے
لیکن جب اُن الفاظ کو علمی نگاہوں سے دیکھا اور اُس کے وسیع معانی پر غور کی
جاوے تو غور کرنے والوں پر کھل جاویگا کہ وہی سادہ الفاظ ہماری ڈکشنریوں کا
کا زیور اور ہمارے علمی ذخائر یا معلومات کا فخر ہیں +
جن الفاظ کے بولنے اور اطلاق سے ہمیں کبھی کبھی حیرت اور تعجب نہیں ہوتا

اور جو ہمارے روزمرہ کی بول چال میں کثرت سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ وہی الفاظ اپنے
اندر وہ ہیں اس قسم کی حیرت خیز طاقت اور ستی اثر رکھتے ہیں کہ اُن کی بدولت انسان
کو اس قسم کے قیمتی معلومات کا ذخیرہ ملا ہے کہ گویا اس لحاظ سے اُن عام الفاظ کو کلید العلوم
کہا جاسکتا ہے

جس طرح بہت سے قدرتی مواد اور قدرتی حرکات اور تصرفات غور کرنے کے بعد
قیمتی معلومات کا ذخیرہ ثابت ہوئے ہیں۔ مثلاً نیوٹن کی تحقیقات سے پہلے ہر روز صدہا
لوگوں کے سامنے سیب درخت سے زمین پر گرا کرتے تھے اور اس عمل کو نیوٹن کی دریافت
تک ایک معمولی عمل خیال کیا جاتا رہا لیکن نیوٹن کے ذہن رسا اور قوت عاقلہ نے اسی
معمولی عمل سے کشش ثقل کا سودمند اور علمی مسئلہ اس خوبی سے استدلال کیا کہ آج
اُس کو بھی علمی ضروریات میں سے ایک بڑی بھاری ضرورت سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح
یہ ہمارے معمولی الفاظ اور اُن معمولی الفاظ کے معمولی معانی سے بھی بعض اوقات بڑی بڑی
علمی مشکلات حل ہوتی ہیں۔

مختلف زبانوں کی بول چال اور ڈکشنریوں میں تعجب بھی ایک ایسا لفظ ہے کہ
جو اپنے برقی اثر اور حیرت ناک معانی یا حالت کے لحاظ سے کلید العلوم اور مفتاح العمل
ثابت ہو چکا ہے۔

یا یوں کہو کہ بقول بعض فلاسفروں اور حکیموں کے تعجب یا حالت مسحورانہ
سے ہی اکثر حکمتوں اور باکثر کیفیات علمیہ کا انکشاف ہوا ہے۔ اور یہی ایک
حالت یا کیفیت ہے کہ جو سوچنے والے دماغوں اور غور کرنے والے دلوں کو علمی
مسائل پر یہ کامیابی و یہ سلامتی پہنچا کے آئی ہے:

کیوف علمیہ اور حقائق حکمیہ کے انکشاف اور تحلیل کے واسطے اسباب معاونہ اور
تاثیرات ساریہ کی ہمیشہ ضرورت رہتی ہے جب تک ایسے اسباب اور ایسی تاثیرات
کا وجود ظہور پذیر نہ ہو تب تک سبیل انکشاف نہیں کھل سکتی

حکیموں اور فلاسفروں نے چند دلاویز بحثوں کے بعد مان لیا ہے کہ تاثیرات
ساریہ یا اسباب معاونہ میں سے تعجب اور حالت تعجب بھی ایک حالت منکشفہ ہے

فلاسفروں اور حکیموں کی علمی اصطلاح میں تعجب کو ام العلوم اور بنت الجہل سے موسوم کیا گیا ہے۔

افلاطون اور پلوٹارخ کے نزدیک تعجب ایک تاثیر فلسفی ہے اور ان کے خیال میں یہی نتیجہ تمام علوم حکمیہ کا ایک سبب عظیم ہے۔

حکیم کول راج کا قول ہے کہ فلسفہ تعجب سے ہی شروع ہوتا ہے اور تعجب پر ہی جاکر اُس کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔

بیکن کے نزدیک تعجب حکمت کی غایت ہے۔

بوعلی سینا کے خیال میں تعجب اُن راہوں میں سے ایک راہ ہے کہ جو حکمت کی طرف جاتی ہیں۔

لستاراں تعجب کو ایک ابتدائی رہبر قرار دیتا ہے۔

تعجب کی کیفیت
اور
حدوث اور اس کا غایت حکمت ہونا

یہ سوال کیا جاویگا کہ۔

(الف) تعجب کیا ہے۔

(ب) وہ کیوں یا کیونکر پیدا ہوتا ہے۔

(ج) کس دلیل سے کہا گیا ہے کہ وہ غایت حکمت ہے یا اُس سے منزل حکمت کی راہیں کھلتی ہیں۔

(۱) جب انسان ایک ایسا واقعہ ایک ایسی حالت ایک ایسا سماں ایک ایسی کیفیت کو دیکھتا یا ایک ایسی کیفیت کو سنتا ہے کہ جو اُس نے پہلے کبھی دیکھی یا نہیں سنی تھیں یا جن میں کوئی حیرت خیز واقعات پائے جاتے ہوں اور اس کے فہم و ادراک سے اُس کی معمولی سمجھ یا موجودہ معلومات قاصر ہوں تو اس کا دل اور مادہ

تعقل مایوس اور مضطرب سا ہو کر رہ جاتا ہے۔

اور یہ حالت ایسی حالت میں پیدا اور طاری ہوتی ہے کہ جب ایسے واقعہ یا ایسی کیفیت میں کوئی جدت طاری ہو جب ایسی حالت اور ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے تو انسان کے دل و دماغ میں مختلف خیالات کا ہجوم ہونے لگتا ہے۔ اور وہ اپنے آپ کو ایک اضطراب اور بے چینی میں پاتا ہے۔

(۲) یہ سوال کہ ایسی حالت پیدا کیوں ہوتی ہے اگرچہ قصہ طلب جواب کا متقاضی ہے مگر مختصراً کہا جاویگا کہ قدرت کی جانب سے جہاں انسان کو قوت علمیہ عطا کی گئی ہے اُس کے ساتھ ہی اکثر امور میں جہل بھی دیا گیا ہے۔ یا یوں کہو کہ علم کے ساتھ کیفیت جہل بھی موجود ہے۔

چونکہ ان واقعات یا اُن کیفیات سے جو جدت کی صورت میں پیش ہوتی ہیں قوت مدرکہ یا مادہ تعقل بالفعل عاجز اور قاصر رہ جاتا ہے اور اُن کو اصلیت آمدہ کا جہل مقابلہ نہیں کر سکتا اور نہ ہی اُن کے حل پر قادر ہو سکتا ہے اس واسطے وہ حالت اضطرار اور بے چینی کو لئے ہوئے ایک حیرت ناک سماں پیدا کرتی اور اُن سب واقعات کو ایک طلسم کی صورت میں لا کر دکھاتی ہے۔ بعض حکیموں نے جو تعجب یا حالت تعجب کا نام ست الجہل رکھا ہے یہ ایک طور وں نامردگی ہے دراصل تعجب انھیں معاملات میں صورت پذیر ہوتا ہے کہ جو بوجہ مجہول الکیفیت ہونے کے ادراک و تحلیل سے دور جا پڑے ہیں خلاصتاً یہ کہا جاویگا کہ جن امور کے کوائف مرتبہ یا مسموعہ یا محسوسہ سے انسان جاہل ہے انھیں سے حیرت اور تعجب پیدا ہوتا ہے۔

(۳) لیکن یہ جو تعجب کو نہایت حکمت اور دیگر حکماء نے ام العلوم کہا ہے گو اس میں کچھ مبالغہ ہو جیسے کہ بعض مخالف حکیموں نے بیان کیا ہے۔ لیکن اس میں کیا شک ہے کہ اس وقت تک جس قدر علوم حکمیہ کی بنیادیں رکھی گئی ہیں اور جنھیں علوم کا سرتاج اور انسانی معلومات کا عطر کہا جاتا ہے ان میں سے بعض کا سرچشمہ بھی تعجب ہے۔

تعجب ہی وہ تیز رو اشہب ہے کہ جو طایر خیال کو افتاں و خیزاں وادی حکمت
اور منزل ادراک تک پہنچاتا ہے تعجب ہی ایک ایسی طاقت ہے کہ جو اضطرار اور
بے چینی کا بار لیے اُن نامعلوم کوچوں میں جا پہنچاتا ہے کہ جن کا پہلے نشان تک نہیں تھا۔
جب زمین پر معمولاً سیب گرا تو نیوٹن کو کون چیز یا کون طاقت مسئلہ کشش
ثقل تک لے گئی وہی تعجب جسے دنیا معمولی حالت سمجھتی ہے۔ جب انسان کو ایک
علت اور معلول کے قانون کی تشریح میں حیرت اور تعجب نے گھیرا تو اس حیرت
اور تعجب سے انسان ایک علت عالی یا علت اولے تک پہنچ گیا اور اس کو بالآخر
مسئلہ مل گیا کہ ان سب علل کی ایک علت عالی یا علت اولی قادر مطلق ہے۔

ریل۔ تار برقی۔ فونوگراف۔ ٹیلیفون فوٹوگرافی وغیرہ وغیرہ مفید مشاغل جو آج
سب دنیا کا کاروبار اور زندگی کی ضروریات بن رہے ہیں تعجب کی بدولت ہی نکلے
ہیں تعجب کی وجہ سے ہی دور رس طبیعتیں ان تک پہنچی ہیں اگر ان طبیعتوں میں
تعجب کی رگ نہ پھڑکتی تو یہ ایجادات نہ ہوتیں۔

حکمت کی کتابوں میں یہ فقرہ نقل ہوتا چلا آیا ہے کہ "تعجب فلسفہ کے سلسلہ
ترقی سے کچھ نہ کچھ تعلق رکھتا ہے۔ اور یہ کہ حکماء کی توجہ پہلے پہل انہیں فلسفی
مضامین کی طرف ہوئی جو زیادہ تر تعجب انگیز اور حیرت خیز تھے" طبیعتاً
متقابلتاً جہل رکھی ہے جہل موجب تعجب ہے پس ہر طبیعت میں تعجب کی حالت
یا کیفیت پائی جاتی ہے۔

اس کیفیت سے انسان کے دل میں ایک بے چینی یا ایک شوق ادراک
پیدا ہوتا ہے اور یہ شوق یا بے چینی انسان کو ادراک کی آخر منزل تک لے
جا سکتی ہے۔

تعجب ہے کہ لوگ اس تعجب سے کام نہیں لیتے ایک شے کو مجہول الکنہ یا
مجہول الکیفیت مانتے ہیں۔ اور طبیعت میں ایک خوشی دیکھتے ہیں لیکن بے تعجبی
سے اشہب طبیعت کو روک کرتے اور تعجب کو بے ہمتی کے گڑھے میں ہمیشہ کے
لیے گرا دیتے ہیں۔

ہم کیوں علمی گھوڑ دوڑ میں پیچھے رہے جاتے ہیں اور کیوں ہماری طبیعتوں میں حمک اور رضا پیدا نہیں ہوتی۔ صرف اس واسطے کہ ہم اپنی قوتوں اور طاقتوں سے کام لینا نہیں جانتے۔ اور نہ ہمیں معلوم ہے کہ قدرت نے ہمارے دلوں میں کیا کچھ ودیعت کر رکھا ہے۔

جس طرح دنیا کی اور قوموں نے طبعی قوتوں کو ٹھیک اندازہ پر چلایا اور اس سے قومی ملکی فایدوں کی صورتیں نکالتی چلی جا رہی ہیں وہی طریقہ ہر قوم کے افراد کا ہونا ضروری ہے۔

حسرت واعظ نہ ایسا وقت ہاتھ آئے گا پھر
سب ہیں بے ہوش تم بھی پی لو کچھ اگر شیشہ میں ہے

غم و خوشی

رنج و راحت گیتی مشو خندان مرنجان دل
کہ آئین جہاں گاہے چنیں گاہے چناں باشد

کون ہے جس کی یہ خواہش نہیں کہ وہ ہمیشہ خوش رہے اور غم اُس کے پاس بھی نہ آوے۔ کون ہے جو غم کو پسند کرتا ہے کون ہے جس کا دل غم سے ڈرتا اور خوشی سے فارغ نہیں ہوتا۔

بہتوں کی زندگی اسی امید اور اسی حسرت میں گذر گئی کہ وہ خوشی کے مالک ہوں اور غم اُن سے کوسوں دور رہے۔ بہتوں نے مارے غم کے خودکشی کی اور اپنی دانست میں غم کی دست برد سے رہائی پا گئے۔

بہتوں نے ایسی پیش بندیاں کیں کہ غم اُن کا پیچھا نہ کرے مگر پھر بھی وہ چھوٹ نہ رہ سکے۔

غم ہمیشہ انسان کے دل پر اثر کرتا ہے اور خوشی بھی اسی ملک میں سیر کرتی ہے جب تک دل اور حواس اور دماغ میں محسوس کرنے کی طاقت اور آنکھوں میں بینائی اور کانوں میں شنوائی۔ اور دیگر اعضاء میں لمس اور حس ہے تب تک غم اور خوشی

دونوں کبھی نہ کبھی موثر ہوتے ہی رہیں گے۔

یا یوں کہو کہ جب تک انسان دنیا میں ہے تب تک ان بکھیڑوں سے اسے نجات کیونکر مل سکتی ہے۔

غم اور خوشی کی مقدار یکساں نہیں ہے اس کی مقدار رشتہ، تعلقات اور واقعات کی مقدار پر موقوف ہوتی ہے اور اسی طرح پر اس کے اثروں میں بھی بلحاظ طبائع اور دل و دماغ کی مختلف ساختوں کے فرق پایا جاتا ہے۔ بعض لوگوں کے دلوں پر ایک چڑیا کا ذبح کیا جانا بھی ایک ہلچل اور ہول پیدا کرتا ہے۔ لیکن جلاد اور پھانسی دیتے ہیں پھر بھی ان کے دلوں پر چنداں اثر نہیں ہوتا۔

لوگ کہتے ہیں کہ غم اٹھاتے اٹھاتے انسان کا دل سخت اور آنکھیں خشک ہو جاتی ہیں نہ تو دل میں درد پیدا ہوتا ہے اور نہ بے رحم یا مایوس آنکھوں میں اشک سوز۔ یہ صحیح ہے مگر درد پیدا اور ضرور ہوتا ہے پر اس کا محسوس ہونا نہ ہونا واسطہ اور تعلقات کی مقدار پر منحصر ہے شاید کوئی ہی انسان ہوگا کہ جو اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر یہ کہہ سکتا ہو کہ وہ غم سے ہمیشہ خالی رہا ہے۔

ہم یہ تسلیم کرنے کو تیار ہیں کہ بعض انسانوں کو اگرچہ غم ہوتا ہے مگر وہ اس کا یا تو اظہار کم کرتے ہیں اور اس کے دفعیہ میں کامل ہوتے ہیں مگر یہ نہیں کہا جاوے گا کہ ان کو غم نہیں ہوتا ہے۔

اگر انسان کو خوشی نہ ہو تو وہ اپنی طبیعت کو امید میں لگا سکتا اور زندگی گذار سکتا ہے لیکن غم کا ہونا طبیعت کے واسطے ایک گھن ہے جو ہر وقت تمام طبیعت کو کھائے جاتا ہے۔

خوشی اور غم سے کسی انسان کو مفر نہیں ہے خوشی انسان جو چاہتا ہے اور غم خود بخود ہی گرد ہو جاتا ہے۔ خوشی سے لوگ اتراتے اور دل و دماغ کو تازہ اور منتشر کرتے ہیں اور غم سے اپنے آپ کو مایوس بناتے اور کڑھتے ہیں۔

انسانی زندگی کے واسطے یہ دونوں حالتیں اخیر پر ایک سی زہری فال اور بدپتش جیسی ہیں۔

حکیموں نے کہا ہے۔ انسان کو خوشی اور غم دونوں میں وہ چال اختیار کرنی چاہیئے کہ جو اُس کے دماغ اور دل پر بُرا اثر نہ کرے۔

ایک حکیم کہتا ہے۔

"خوشی اور غم سے کوئی مفر نہیں ہے لیکن ہمیں ایک ایسی سود مند راہ نکالنی چاہیئے کہ جو اُن کے بُرے اثروں سے محفوظ رکھ سکے"۔

وہی حکیم کہتا ہے۔ دنیا اور دنیا کے تمام واقعات اور حالتیں تغیر پذیر ہیں کبھی کچھ ہوتا ہے اور کبھی کچھ۔ ہم جانتے کچھ ہیں اور ہو کچھ جاتا ہے ہم مانگتے کچھ ہیں اور ملتا کچھ ہے۔

اگر انسان اسی حالت پر غور کی نگاہ کرے تو اُسے معلوم ہو جائیگا کہ اس کے اپنے بدن میں ہی جو اس دنیا کے ذرات میں سے ایک چھوٹا سا ذرہ اور اجزا کا مجموعہ ہے کس قدر تغیرات ہیں اگر انسان اپنی عمر کے ہر ایک سال کا فوٹو رکھتا رہے تو اُسے کھائی دیگا کہ اُس کی ظاہری شکل میں بھی کس قدر تغیر ہوتا رہتا ہے۔

اس کے علاوہ اُس کے خیالات اور ارادوں میں جو کچھ لگاتار ترمیمیں اور تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں اُن سے کھائی دیتا ہے کہ جو اُس کے بدن میں ہی کس قدر مد و جزر ہوتا رہتا ہے۔

ایک طرف تاریخیں رکھو اور ایک طرف زندہ اور مردہ واقعات اور پھر کہو کہ اس دنیا اور چند روزہ کارخانہ میں کیا کچھ اودھم مچ رہی ہے۔ اگر یہ لازمی تغیرات ہمارے اپنے اختیار میں ہوں تو شاید ایسی مایوسی نہ ہو مگر افسوس اور حسرت تو یہ ہے کہ ان کا کوئی حصہ کبھی ہمارے اختیار میں نہیں ہے ہر قرن کے واسطے ایک جدا داستان ہے اور ہر لمحہ کے لئے ایک جدا سماں۔

جب ہم اپنے اردگرد دیکھتے ہیں تو کسی فرد اور کسی ہستی کو بھی اُس الٹ پلٹ اور تغیر و تبدل سے خالی نہیں پاتے اور نہ ہی اس کشمکش سے کوئی محفوظ نظر آتا ہے جاندار تو جاندار ہے بے جانوں پر بھی وہی ہاتھ صاف ہوتا ہے جو جانداروں کی صفائی کرتا ہے۔

قدرت کی یہ حالتیں اور یہ حرکتیں ہمیں یقین دلاتی ہیں کہ دنیا کا البتہ ایک

ہی سکیل پر نہیں رہ سکتا اس کو اس طرح پر رکھا گیا ہے کہ وہ ہر ایک دم تک اپنا ایک
آن میں الٹتا پلٹتا رہے۔

گھڑی کیا مسٹ مسٹ میں قابل حیرت تبدیلیاں اور تغیرات ہوتے رہتے ہیں
جس معاملہ کو لے لو وہی کہدیگا کہ میں کبھی بھی ایک حالت اور ایک سکیل پر نہیں
رہ سکتا۔

دنیا کی عمر خواہ کتنی ہی کم یا زیادہ قرار دے لو مگر تاریخ ثابت کر رہی ہے کہ اس میں
اس قدر تغیرات ہو رہے ہیں کہ انسان سُن سُن کر حیرت زدہ ہو جاتا ہے۔

نہ تو خوشی کا مقام ہے اور نہ غم کا مقام ہے ایک آتا ہے اور دوسرا جاتا ہے۔
کبھی خوشی ہے اور کبھی غم۔ کبھی شادمانی اور کبھی صورت الم۔ کبھی یہ اور کبھی وہ کیا
تم کوئی ایسا گھرانا یا ایسا شہر دکھا سکتے ہو کہ جو ان تغیرات سے پاک اور خالی ہو۔ کیا کہہ
سکتے ہو کہ دنیا کی چار دیواری میں کوئی ایسا بھی احاطہ ہے کہ جہاں ناگوار اور خوش
آیند ہوائیں نہ پہنچی ہوں +

"نظر غور گر دیکھو تو نقشہ ہی دگرگوں ہے"
"دکھی ہے جس جگہ پر کل وہاں پر آج افروں ہے"
"تغیر اور تبدل ہے زبان حال سے کہتا"
"نہ حق اہل دنیا سلسلہ اپنا یہ موزوں ہے"

وہ کون دل اور وہ کون دماغ اور وہ کون چار دیواری ہے کہ جہاں خوشی کی
حکومت ہو کر غم کی دست بردنہ ہوئی ہو۔ یا غم کی حکومت پر خوشی نے جھاڑو پھیر
دیا ہو تم دماغ اور دل کی حد کو ٹھڑیاں نا کرے قرار دیکر دیکھو کہ ان میں سے کتنے
گھر خوشی سے آباد ہیں اور کتنوں میں غم کے ڈیرے لگے ہوئے ہیں۔ اور تمہاری اپنی
عمر میں ہی کتنی دفعہ تمہارے دل اور دماغ میں خوشی کی بادشاہت کا پھریرا اڑایا گیا
ہے اور کتنی دفعہ غم نے یورشیں کی ہیں تم کہہ سکتے ہو ایک حالت کبھی قایم رہی ہے۔
جب تمہاری اپنی حالت رہی ہے اردگرد کے واقعات کا یہ حال ہے تو پھر کیا
تم نے سوچا بھی ہے کہ تمہاری زندگی کے واسطے کوئی ایسی محفوظ منزل بھی ہے کہ تم ان

دونوں کے ہی نہ تو دلدادہ ہو اور نہ ہی گرویدہ تم نے یہ معلوم کر لیا ہوگا کہ ایک کی حلاوت
اور دوسرے کی تلخی کی آمد آمد تمہیں دم بھر یا ساری عمر کے لئے کیسا تنگ اور کس قدر کبیدہ
خاطر بنا دیتی ہے تم نے خود دیکھا اور آزمایا ہوگا کہ تم خوشی سے کبھی تو آسمان سے بھی زیادہ تر
بلند اور متکبر ہو جاتے ہو یہاں تک کہ اپنے آپ میں ہی نہیں رہتے اور غم کے آنے سے
تمہاری وہ حالت ہو جاتی ہے کہ جان جیسی عزیز شے کو بھی خودکشی کر کے کھو دینا ایک
معمولی بات جانتے ہو۔

یہ دو حالتیں تمہاری کیوں ہو جاتی ہیں صرف اس واسطے نہیں کہ یہ خوشی اور غم
واقعی تم پر مستولی اور غالب ہو جاتے ہیں بلکہ اس واسطے کہ تم نے اپنی سمجھ کی غلطی سے
اب تک ان دونوں حالتوں کو مستقیم الحالت اور غیر متغیر جان رکھا ہے اور تمہارا عقیدہ
ہے کہ جو خوشی آتی ہے اُسے واپس نہیں جانا چاہئیے اور جو غم آتا ہے وہ ہمیشہ رہتا ہے
اگر تم یہ سمجھ لیتے کہ ان دونوں میں کسی کو بھی استقامت نہیں ہے تو شاید تمہاری
ایسی بُری گت نہ بنتی جب یہ یقین کر لیا جاوے کہ یہ دونوں حالتیں آنی جانی
اور غیر مستقیم اور زوال پذیر ہیں اور واقعات یا معاملات کی حالت ہمیشہ یکساں
نہیں رہتی ہے اور ضرور ایسا ہوتا رہیگا تو پھر تمہارے دل میں خود بخود ہی تسلی
اور استقامت کے سامان پیدا ہونے لگیں گے۔

جب خوشی ہو تو اُس پر نہ گھمنڈ کرو اور نہ ہی اتراؤ اور نہ ہی اس کو لازوال
سمجھو۔ جب غم کی آمد آمد ہو تو اُس سے بھی مردہ دل نہ ہو جاؤ گو قطعاً خوشی اور غم دونوں
تمہارے رگ و ریشہ پر غالب اور موثر ہونگے مگر آخر سمجھدار ہو تمہاری دل شکنی اور
بے چینی اور اضطراب سے ہوتا کیا ہے یہ سب حرکات عبث و لغو ہیں دنیا میں کبھی کچھ
نہیں ہوتا ہے ایک حالت آتی اور ایک جاتی ہے۔

ہم سب پر ایک اعلیٰ طاقت ہے جسے ہم اپنے اپنے خیالات اور دلوں میں قادر
مطلق اور محیط کل سے تعبیر کرتے ہیں اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں ہے
جب ہمارے سب معاملات میں اُس کا دست غیب شامل اور وہ خود اس میں دخیل
ہے تو پھر اس قدر اضطراب کی ضرورت کیا ہے جو لوگ خوشی کے وقت زیادہ تر اترانے

اور فخر کرتے ہیں انہیں جب غم ہوتا ہے تو اُن کی حالت ناگفتہ بہ ہو جاتی ہے کیوں اتنی خوشی کرتے ہو کہ ظلم ہونے پر مر ہی جاؤ۔ اور کیوں اس قدر غم کرتے ہو کہ بس اُسی کو اصلا سمجھنے لگ جاتے ہو۔

خوشی کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رحم کا ایک نمونہ خیال کرو اور ان دنوں کو مصروف رکھو جو دن بھی جیسے رہ رہے ہیں اور غم بھی گزر جانے والا ہے روح اور دل و دماغ پر جس قسم کی ہوائیں چلیں گی تدبیر اور صبر و شکر سے ان کا مقابلہ کرو۔

خوشی دوامی نہیں ہے کہ اس پر تم اترا جاؤ تم اپنے ہی خاندان اور کنبہ میں نظر کرکے دیکھو لوگ کس قدر خوشیاں آئیں اور ان کا نتیجہ کیا ہوا کہ ان میں سے اب کوئی باقی بھی نہیں ہے۔

اگر تم غم میں صبر اور شکر نہیں کر سکتے ہو تو کیا تمہارا ارادہ نعوذ باللہ خدا سے لڑنے کا ہے

گر تو نمی پسندی تغیر کن قضا را

ہر وقت اُس کے فضل و کرم کے امیدوار رہو۔ اور اُس سے دعا کرو کہ وہ تمہاری حالت پر فضل و کرم کرے اور تمہیں ہر بلا سے محفوظ رکھے۔ آمین ثم آمین

زبان

"گندی زبان زبان نہیں بلکہ زیاں ہے"

"بہتر ہے اس زباں سے ہم بے زباں ہوں"

انسانوں اور مطلق حیوانوں کی تعریف میں جہاں اور امتیازات بیان کئے جاتے ہیں وہاں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان بمقابلہ اور حیوانات کے بالقوۃ طاقت طلاقت اور قوت لسانی رکھتا ہے۔

گو کوئی انسان گونگا ہو مگر اُس میں قوت طلاقت درحقیقت موجود ہے اگر وہ بالفعل بول نہیں سکتا تو یہ کسی عارضہ کا اثر ہے۔

دیگر حیوانات میں طبعاً ہی طاقت طلاقت نہیں ہوتی گو انہیں بھی زبان حاصل

ہے مگر اُس میں وہ قوت اور وہ جوہر نہیں ہے جو انسان کی زبان میں ہے۔ زبان بظاہر انسان کے منہ میں ایک چھوٹا سا مخروطی شکل کا ٹکڑہ گوشت ہے مگر دراصل اس قلیل الحجم ٹکڑہ گوشت کی قیمت سب ہی کماری ہے اور اسی پر انسان کی انسانیت اور بزرگی کا بہت کچھ مدار ہے۔

اس کی قدر اُن لوگوں سے پوچھنی چاہیئے کہ جنھیں قدرتاً زبان حاصل ہے مگر وہ کسی عارضہ کے سبب اس سے کام نہیں لے سکتے اگر ایک شخص کو کہا جائے کہ وہ کوئی دو گھنٹہ تک اپنی زبان بند رکھے تو اسے زبان کی آزادی کی قیمت معلوم ہو جاوگی

اگر انسان کی زبان میں آزادی طلاقت نہ ہوتی تو اُس میں اور حیوانات میں کوئی فرق نہ ہوتا زبان ہی کی بدولت دنیا کے بڑے بڑے کاروبار چل رہے ہیں اور زبان سے ہی ہر ایک اچھائی اور برائی کی ابتدا ہوتی ہے۔

دل ودماغ میں خیالات پیدا ہوتے اور پرورش پاتے ہیں اور زبان اُن کی وکالت کرتی اور انھیں پردہ قلب سے نکال نکال کر دنیا کے سامنے پیش کرتی ہے۔

دل میں اگرچہ کیسے ہی عمدہ اور اعلیٰ خیالات کا ذخیرہ موجود ہو اور اُن کی نشوونما کسی ہی [illegible] سے ہوتی ہو مگر زبان اُن کے اظہار پر قادر نہ ہو تو اُن کی کیا قدر ہو سکتی ہے یا اگر قادر ہو کر صداقت اور پاکیزگی سے اظہار نہ کرے تو انھیں کون عمدہ اور نفیس کہہ سکتا ہے۔ انسان نے تحریر کے ذریعہ سے بھی اظہار خیالات کا ڈھنگ نکالا ہے۔ مگر دراصل یہ طریقہ بھی زبان نے ہی ایجاد کیا ہے اور یہ اُسی کی حکمت عملیوں اور طرز کا عکس اُتارا گیا ہے۔

گو زبان سے یہ طرز و نگارا اپنے فرض کو ادا کیا ہے اور اگر زبان بھی لکس کہ تحریری طرز زبان سے نرالا ہو جاتا ہے تو پھر بھی یہ کہنا پڑیگا کہ زبان کے فرائض کے مقابل میں قلم اور سیاہی کا عمدہ برا ہونا بہت ہی مشکل ہے۔

قلم نے بھی اسی حالت میں کام دیا کہ جب اُس کو بھی قط لگا کر ہم شکل زبان بنایا گیا آخر یہی کہنا پڑا کہ زبان قلم سے یوں نکلا۔

اگر انسان کی زبان میں طاقت طلاقت نہ ہوتی تو وہ اپنی روزمرہ کی کارروائیاں

اور ضروریات سے بھی سخت تکلیف میں ہو جاتا۔ گو حیوانات کی طرح اشاروں کنایوں
سے کام تو کچھ نہ کچھ چل ہی جاتا مگر اس قدر کمالات اور ترقیات کا جو سلسلہ پایا جاتا اس کا نام
بھی نہ ہوتا کوئی الگ کسی کونہ میں بیٹھا ہوتا اور کوئی جدا کسی گوشہ میں اللہ ہو جپتا۔
جسے سوشیل حالت کہتے ہیں نہ نام کو بھی۔ ہوتی کیونکہ انسان کی ہمدردیوں اور خوبیوں
کو اسی حالت میں ترقی ہو رہی ہے کہ جب بذریعہ طاقت لسانی کے خیالات اور قیاسات
کا ایک دوسرے کے ساتھ تبادلہ ہو رہا ہے۔

زیادہ دلائل دینے کی ضرورت نہیں یہ امر واضح تر ہے کہ زبان انسان کے جسم
میں ایک ضروری جزو ہے اور اس کی قوت طاقت ایک اعلیٰ جوہر۔

کوئی ایسا انسان نہیں ہے کہ جس کے منہ میں یہ لال لال زبان نہ ہو کوئی ایسا
فرد بشر نہیں ہے کہ جو اس ٹکڑہ گوشت سے حسب دلخواہ کام نہ لیتا ہو یا اس کو ایسی
ضرورت نہ پڑے یا اس کی بحالت گونگا ہونے کے یہ خواہش نہ ہو کہ زبان سے طاقت
کا کام نہ لیا جائے۔

زبان سے ہر ایک انسان کام لیتا ہے اور لے سکتا ہے لیکن جس کام کے واسطے
زبان بنائی اور انسان کے منہ میں رکھی گئی تھی اس کی فلسفی اور علت پر عام طور پر
اور ہر ایک وقت میں نظر نہیں کی جاتی زبان کو محض ایک بات چیت اور اناپ
شناپ الفاظ کے رٹ دینے کا آلہ سمجھا جاتا ہے۔ ایسی حالت اور ان معنوں میں زبان
کی وہ وقعت اور قدر و منزلت باقی نہیں رہتی ہے کہ جس غرض سے قادر مطلق نے اس کو
انسان کے منہ میں رکھا تھا۔

انسان زبان سے دو کام لیتے ہیں ایک بول چال اور دوسرے مسرالیہ دوسری
صورت کی نسبت ہم بالفعل ذکر نہیں کریں گے پہلی بات کی نسبت ہمارا خیال ہے
کہ زبان چونکہ انسان کے عضوؤں میں سے ایک نہایت ضروری اور شریف عضو ہے
اس واسطے انسان کا فرض ہے کہ اس سے کام بھی ایسا ہی لیوے کہ جو پاک اور واجبی ہو
زبان اس واسطے نہیں دی گئی ہے کہ اس سے اناپ شناپ بکا جائے یا لوگوں
کو صلواتیں سنائی جاویں یا چغل خوری کر کے اس کو گندہ کیا جاوے یا ایک زہریلی چھری

کی طرح اسے دوسروں کی فضول اور احمقانہ نکتہ چینی سے ناحق تیز کیا جاوے۔

زبان کا پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے پیدا کرنے والے خدائے کریم کی ستائش میں مصروف رہے اور کم سے کم دن اور رات کے کسی حصہ میں اس فرض سے سبکدوش ہو اس سے بعد انسانوں اور بیگانوں کی بھلائی میں حصہ لے اور وہ بات کرے کہ جو دوسروں پر اچھا اثر پیدا کرے نہ کہ اس کی باتوں سے لوگ بیزار اور متنفر ہوں زبان اس لئے نہیں دی گئی کہ گندہ و افترا میں وہ ہر وقت آلودہ رہے اور اس پر ایسے الفاظ کا عبور ہو سکے کہ جو خباثت میں فرد اور رذالت میں یگانہ ہیں زبان اس لئے عطا نہیں ہوئی کہ اوروں کی غیبت جوئی اور پردہ دری میں مشتاق ہو زبان اس واسطے نہیں ملی کہ بزرگوں اور واجب التعظیم شخصوں کی تحقیر کا مسالحہ جمع کر کر کے معرض بیان میں لاتا رہے زبان اس واسطے نہیں دی گئی ہے کہ ان نابکار کہانیوں اور دیگر قوموں کی برائی اور ذلت پر دلائل لاتی رہے۔

زبان اس واسطے نہیں دی گئی ہے کہ خدائے لایزال کے انکار پر زور شور سے بحث کرتی رہے اور ہمیشہ اس فکر میں غرق رہے کہ وجود خدا کی نفی کی جاوے اور دنیا میں الحاد کو پھیلایا جاوے۔ زبان اس غرض سے نہیں ملی ہے کہ ملک و قوم میں نفرت انگیز اور فتنہ خیز مضامین کا اشتہار اور اعلان کرے۔ زبان اس واسطے ملی ہے کہ وہ شیرینی سے ساری دنیا ساری مخلوق سارے دوستوں سارے احباب سارے کنبہ سارے رشتہ داروں ماں باپ کو اپنے قابو میں لاوے اس میں شیرینی کے لحاظ سے ایک مقناطیسی اثر اور خداداد جذبہ ہے۔

اگر زبان میں یہ اوصاف ہیں تو زبان ہے ورنہ زیان جان۔

وہ زبان جس سے ایسے برے دکھ پیدا ہوں جس سے دوسروں کی چغلیاں ناحق کی نکتہ چینیاں فضول عیب جوئیاں کی جاتی ہوں

جو ہمدردی اور محبت کے الفاظ سے محض معرا ہو وہ زبان نہیں ہے بلکہ منہ میں ایک تیز چھری رکھی گئی ہے جو اپنا بھی خون کرتی ہے اور دوسروں کو بھی لہو لہان کرتی ہے۔ بہتر ہے کہ اس زبان کو کام میں ہی نہ لایا جاوے جو زبان ہمدردی اور عزت

کے الفاظ نہیں بول سکتی جس میں شیرینی اور ملائمت نہیں ہے وہ انسان کے واسطے ایک شرم دلانے والا مضغہ گوشت ہے۔

انسان اپنے شہ سے بانسری سجاتا ہے اُس میں اس قسم کی رسیلی آوازیں پیدا کرتا اور نکالتا ہے کہ اہل دل سُن کر تڑپ تڑپ جاتے ہیں۔ لیکن اس زبان پر افسوس ہے کہ جو بانسری جتنا بھی اسے الفاظ میں اثر پیدا نہیں کر سکتی۔ ایک لکڑی تو انسان کی محنت سے پر درد اور رسیلی بن جاتی ہے اور اُس میں سے جو آواز نکلتی ہے وہ دلوں کو ہلا دیتی اور دماغ پر ایک جنبش لاتی ہے لیکن افسوس کہ خود زبان میں ایسی نشاط۔ی طلاقت باوجود طبعی طلاقت ہونے کے پیدا نہ ہو سکے۔

ہماری زبان کیونکر رسیلی اور شیریں ہو سکتی ہے اور اُس کی ہر ایک آواز بانسری کی طرح کیونکر دلاویز ہو سکے۔

صرف اس طرح سے کہ انسان کے دل میں ہمدردی محبت اور درد کے خیالات کا ہجوم ہو اور زبان ان طریقوں سے آشنا ہو جاوے۔

ہمدردی اور محبت دل میں پیدا کرو اور اپنی زبان کو اُس سے آشنا بناؤ۔ تب زبان پاک اور برگزیدہ ہو گی۔

اظہار خلاف حقیقت

ایک واقعہ یا ایک امر یا ایک سرگذشت کا کسی اور طرح اور کسی اور ڈھنگ پر ظاہر یا بیان کرنا اظہار خلاف حقیقت ہے ایک واقعہ یا ایک امر کا ظاہر کرنا یا اس سے انکار کرنا اعتراف حقیقت ہے اور جھوٹ بالامر کو اور ڈھنگ پر کہنا یا ظاہر کرنا اظہار خلاف حقیقت ہے۔

بہت سی ایسی باتیں اور ایسے واقعات ہیں کہ جنھیں انسان معمولی طور پر دوسرے پیرایہ میں ظاہر کرتا ہے اور سمجھتا ہے کہ وہ اس طریق اظہار میں کوئی غلطی نہیں کرتا لیکن اگر حقیقتاً دیکھا جاوے تو وہ اسے آپ کو ایک خوفناک غلطی میں آلودہ کر رہا ہے۔

یہ چھوٹی چھوٹی غلطیاں اس کو غلطیوں کے ایک ایسے گڑھے میں گرا رہی ہیں کہ جس سے

نہ سلامتی نکلنا مشکل کے قریب قریب ہو جائیگا اظہار خلاف حقیقت کی بڑی اور تکلیف
دہ عادت ہمیشہ ابتداء میں معمولی باتوں سے شروع ہوتی ہے یہ عادت میں انسان
کو پتہ بھی نہیں لگتا کہ آخیر یہ اس کا زہریلا اثر کیسا مہلک ثابت ہوگا۔
ایک فعل کیا یا ایک بات سنی اور اس کو تھوڑی سی ترمیم کے ساتھ نقل یا پیش
کیا ایک واقعہ دیکھا اور اس کو اور حالات سے بیان کیا اور یہ کوشش کی سننے والے
اس حیثیت سے اُس پر یقین کریں ایسی حالت میں خود بیان کرنے والا یا حاکی یہ
نہیں خیال کرتا کہ اس طریق عمل میں کیا کچھ سقم پیدا ہو گیا ہے۔ اور اس طرز بیان
میں کیسی سمیت آتی جاتی ہے رفتہ رفتہ انسان کا مذاق ہی اس قسم کا ہو جاتا ہے کہ
وہ ایسی کتر بیونت اور ترمیمات کے ساتھ واقعات کا اظہار کرنا مناسب اور موزوں
خیال کرتا ہے یہاں تک کہ پھر وہ اس عمل کو ایک مصاحب ایک عمدگی اور ایک رو
رسی سمجھنے لگ جاتا ہے جس طرح شارٹ ہینڈ کے فن میں اختصار مضامین کی مشق
ہو جاتی ہے اسی طرح اس فن میں بھی حقیقت سے خلاف اظہار کی ایک مشق حاصل
ہوتی اور ایک عادت پڑ جاتی ہے
اس غلط کاری اور اس سقم کی وجہ سوائے اس کے اور کچھ نہیں ہے کہ اس
عمل کے شروع میں انسان اس کے مہلک آثار اور خطرات پر غور نہیں کرتا بلکہ
اپنے ایسے طریق عمل کو ایک مذاق یا ایک خوبی اور تلخیص مطالب یا تنقیح مضامین
اور ترتیب واقعات سمجھتا ہے۔
حقیقت الامر کو چھپانا یا کم و بیش کر کے ظاہر کرنا واقعی ایک نہایت ذمیمہ حرکت
ہے انسان خوب جانتا اور خوب سمجھتا ہے کہ جو کچھ وہ بیان کر رہا ہے حقیقت الامر
کے خلاف ہے۔ جو الفاظ اور جو کلمات اُس کی زبان سے نکل رہے ہیں وہ وہ نہیں
ہیں کہ جن کی وہ اپنے صحیح دل سے نقل کر رہا ہے جن واقعات کو وہ توڑ مروڑ کر یا الحاقی
غیر متعلقہ معرض بیان میں لا رہا ہے اُن میں سے صداقت کا جوہر گم کر دیا گیا یا نکال
لیا گیا ہے انسان کا دل اسے ساتھ کے ساتھ ہی تنبیہ کرتا جاتا ہے کہ یہ طرز عمل دیانت
سے بعید اور امانت سے دور ہے کیا ایسی حالت میں انسان کہہ سکتا ہے کہ وہ اس طرح

عمل سے دل مطمئن ہوتا ہے ہرگز نہیں۔

ایک انسان کی تنخواہ تو صہ ہے لیکن وہ اوروں کی نظروں میں اپنے آپ کو زیادہ معزز اور محترم ثابت کرنے کے لئے بجائے صہ کے ما صہ بیان کرتا ہے ممکن ہے کہ سامعین پر اُس کی اس لغو بیانی کا اثر ہو لیکن کیا یہ بیان کرتے ہوئے خود اُس کا دل ہی اُس کو شرمندہ نہیں کرتا اور خود اُس کی پاکٹ ہی یہ کہنے کو تیار نہ ہوگی کہ نہیں نہیں مجھ میں تو مہینے کے بعد صرف صہ ہی ڈالے جاتے ہیں ما صہ روپیہ گپ اور لغو بیانی ہے جو شخص کسی اور شاعر سے دو چار اچھے شعر ہوا کر اپنے نام سے اُن کو چھپواتا اور مشہر کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کیا اُس کی یہ خوشی اور فخر دماغی سچا ہوگا اور در واقعی اُس کے دل میں کوئی مسرت ہوگی ہرگز نہیں اُس کا دل اور اس کا دماغ خود ہی مضطرب ہوگا اور شرمندہ ہو کر ضرور کہیگا کہ ایسے ناواقف اور لغو شاعر کی زبان جھوٹ کہی اور بے شرم ناک حرکت کرتے ہیں۔

ایک شخص عربی قوم تو کچھ اور رکھتا ہے اور از راہ افتخار کسی اور قوم میں سے اپنے آپ کو بیان کرتا ہے اور خوش ہوتا ہے کیا ایسے علمدار کا دل شرمندہ نہیں ہوگا اور جب وہ ایسی حرکت کا مآل سوچتا ہوگا تو وہ عرق عرق نہیں ہو جاتا ہوگا اور کیا اس کو یہ سوچ نہ آتی ہوگی کہ اُس کی شرمناک جعلسازی کسی نہ کسی دن کسی مجلس میں ضرور اپنی اصلی رنگت سے ظاہر ہوگی اور قلعی کھل جائیگی۔

جو انسان سنتا کچھ اور کہتا کچھ ہے وہ بددیانتی سے ایک امر واقعہ اور ایک حقیقت کو اور طرح پر بیان کرتا ہے اور بیان کرنے کے ساتھ ہی اس کا دل اُس کو تنبیہ کرتا جاتا ہے کہ تمہاری یہ حرکت ایمانداری اور تقدس کے خلاف ہے کیا اس فعل کی قباحت پر اس سے زیادہ کوئی اور دلیل ہو سکتی ہے کہ خود بیان کنندہ کا دل ہی بیان کرنے کے ساتھ ہی برائی کا نوٹس لیتا اور بیان کنندہ کو شرم دلاتا ہے۔

جو لوگ حقیقت الامر کے انکشاف اور اظہار کامل میں غلطیوں کے عادی ہو جاتے ہیں اُن میں اخلاقی جرأت اور مارل کریج نہیں رہتی اُن کا دل سُن اور اُن کی قوت تمیزی بے حس ہو جاتی ہے پھر اگر وہ چاہیں بھی تو تب بھی اظہار حقیقت سے رُک جاتے ہیں

اخلاقی جرأت اور اخلاقی مساوات اسی حالت میں قائم رہتی ہے کہ جب اُس سے کام
لیا جاوے کام اسی صورت میں لیا جا سکتا ہے کہ جب انسان تمام واقعات تمام خیالات تمام
کیفیات تمام حالات کا اظہار اصلیت اور حقیقت کے مطابق کرتا رہے بعض دفعہ انسان
اس خیال سے خلاف حقیقت اظہار پر مجبور ہوتا ہے کہ وہ بعض صورتوں میں اپنی بے
وقری - بے رعبی - بے اعتباری و بے عزتی دیکھتا ہے۔

اس قسم کے خیالات اسی حالت میں انسان کے دل میں نشوونما پاتے اور پیدا
ہوتے ہیں کہ جب وہ عزت اور وقر - اعتبار اور رعب کے حقیقی معانی اور واقعی مفہوم
پر غور نہیں کرتا ہے - عزت - رعب - وقر - اور اعتبار کا یہ مفہوم نہیں ہے کہ انسان
حقیقت کو چھوڑ کر مفروضہ واقعات اور مصنوعی مطالبات پر ایمان لائے جو کبھی دھوکہ
میں رہے اور دیگر ابنائے جنس کو بھی ایک وہم فریب میں پھنسائے - سچی عزت -
سچا وقر - واقعی احترام - اور حقیقی اعتبار اسی حالت میں حاصل ہو سکتا ہے کہ
جب ہم حقیقت الامر کے عاشق اور صداقت کے شیدائی ہوں - زبان اور دل
کی باگ صداقت اور پرہیزگاری کے زبردست ہاتھوں میں رکھو وہ کہو کہ جو سچ اور مطابق
واقعہ ہو نہ کہو کہ جو صداقت سے گرا ہو ایسے صادق البیان اور صادق القول
مبارک انسان ہے۔

تبادلہ خیالات

کوئی چارہ نہ مجبوری میں کوشش کے سوا
رہنمائے منزل مقصد ضرور بن گئی

دنیا میں جو جو واقعات ظہور میں آتے ہیں - لوگ اُن کی وقوعی حالتوں یا کیفیات
کو محسوس کرتے ہیں - ہم دیکھتے ہیں کہ دنیا میں ایک حالت دوسری حالت سے بدل
جاتی ہے ایک کیفیت یا ایک حالت کے بعد دوسری کیفیت یا دوسری حالت آتی
اور اسی رنگ میں جاتی ہے -

ان حالات میں یہ کہنا پڑیگا کہ دنیا میں جو کچھ وقوعہ ہوتا ہے اُس کے آثار باقی رہتے ہیں اور ہر ایک وقوعہ معدوم ہونے سے پہلے اپنا اثر اور اپنا رنگ چھوڑتا ہے۔

مجموعہ عالم میں جس قدر ترقیاں ہوئیں یا اب ہو رہی ہیں۔ یا جو آیندہ ہونگی اُن کا وجود یا تو وقت مجموعی طاقتوں یا اسباب سے ہوا ہے یا ہوگا اگرچہ بظاہر اسباب دنیا کا ہر ایک کام فرداً فرداً ہو رہا ہے اور ہر کارکن بجائے خود اپنا ہی ہی خواہ اور اپنا ہی مزدور ہے لیکن درحقیقت ایک فرد دوسرے کا غلام اور ایک طاقت دوسرے کی مقید اور پابند ہے۔

ایک بڑھئی یا ایک لوہار اپنے پیٹ کی خاطر یا صرف اپنے واسطے مزدوری کرتا اور طرح طرح کی کارگریاں دکھاتا ہے مگر حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ اپنے فایدہ کے ساتھ ہی دوسروں کی خدمت بھی کرتا ہے۔ چاہے کوئی شخص کوئی کام کسی ہی نیت اور کسی خود غرضی سے کرے اُس میں دوسروں کا فایدہ یا نقصان ضرور ہوتا ہے۔

اگر ایک شخص بیوقوفی سے خودکشی کر بیٹھے تو گو وہ اپنی ہی جان کھوتا ہے لیکن چشم غور سے دیکھو گے تو پتہ لگ جاویگا کہ اُس کی اُس بزدلانہ حرکت نے اپنے یا اُس کے خاندان کو ہی ہلاکت میں نہیں ڈالا بلکہ اور افراد پر بھی مہلک اثر کیا ہے۔ بعض پر مالی اثر پڑا ہے اور بعض پر اخلاقی اگر کوئی شخص یہ عقیدہ رکھے کہ جو کچھ کر رہا ہوں اپنی ہی خاطر کر رہا ہوں نہ کہ دنیا کے دوسرے افراد اس کے واسطے کچھ بھی محنت اور کلفت نہیں اٹھاتے تو یہ اُس کی ایک فاش اور عملی غلطی ہوگی۔ ہر ایک تمام دنیا کا خود بھی مزدور ہے اور ساری دنیا اس کے واسطے بھی مزدوری کرتی ہے۔

مختلف محنتوں اور کلفتوں کا آپس میں ایک عمدگی کے ساتھ تبادلہ ہوتا رہتا ہے اور ایک محنت یا کلفت دوسری محنت یا کلفت کی قایم مقامی کرتی ہے بعض لوگوں نے اس اندرونی تبادلہ پر غور نہیں کیا اور نہ یہ سمجھا ہے کہ محنت محنت کا معاوضہ کیونکر ادا کرتی ہے۔ اگر ایک نقشہ بنا کر دکھایا جاوے کہ محنتیں کیونکر متبادل ہوتی ہیں تو کہنا پڑیگا کہ گو محنت کرنے والوں کو علم نہ ہو لیکن ایک محنت دوسری محنت سے روزانہ بدلتی رہتی ہے اور اس کے سوا گذارہ نہیں۔

دنوعی صورتیں اور عملی کیمیا سے ہی متبادل نہیں ہوتی ہیں اور نہ مقصد سمجھا نہیں گیا

جاری نہیں بلکہ عالی دنیا میں بھی یہ سلسلہ جاری اور قایم ہے۔ جس طرح اکسٹرین ہر دن اور ہر گھڑی ہزاروں ہزاروں اور لاکھوں من مال کا تبادلہ کرتی اور شہروں کی رونق اور رونقی کا باعث ہوتی ہے۔ اسی طرح خیالات کی ٹرین لاکھوں خیالات کو تبادلہ کی صورت میں ادھر اُدھر پہنچاتی رہتی ہے۔

گو بہت لوگ مبادلہ خیالات کی گاڑی اور قطعہ محسوس نہ کریں محسوس نہ کرتے ہوں اور ان کے نزدیک دنیائی خیالی ٹرین ایک ہی محدود دائرہ میں چل رہی ہو مگر درحقیقت ہر لمحہ اور ہر لحظہ خیالات کی ٹرین ہزاروں لاکھوں میل جاتی ہے اور سلسلہ خیالات میں لین دین اور گویا یا یوں سمجھیں یا تبادلہ ہوتا رہتا ہے۔

اس تبادلہ پر دنیا کی رونق اور ترقی کا مدار ہے اس کے بارے میں حاصل رہا ہے اس سے دنیا کی منڈی کو جو رونق اور رجوع حاصل ہے اس کا اصلی موجب کیا ہے۔ بس یہی تبادلہ۔

اگر یہ نہ ہوتا تو دہ بابا آدم والی پرانی گٹھا اور سروں کی سدرس کھلی نظر آتی۔

ہمیں باعتبار نظر دیکھنا چاہئے کہ

(الف) دنیا کی ترقی کس امر پر موقوف ہے۔

(ب) تبادلہ کیا ہے

(ج) اُس کے اقسام کیا ہیں۔

(د) مبادلہ کی سودمندی یا ناسودمندی کا معیار کیا ہے۔

(ہ) مبادلہ کی اعلیٰ غرض کیا ہے۔

(و) بلحاظ ضرورت اور عدم ضرورت کے تبادلہ کا اثر کیا ہے۔

(ز) بالفاظ دیگر تبادلہ کو کیونکر تعبیر کیا گیا ہے۔

(ا) گو دنیا کی ترقی کا ایک اصول یا ایک طریقہ نہیں ہے۔ لیکن مشاہدات اور تجربوں نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ دنیا کی ترقی اور بہبود کا مدار غالباً مندرجہ ذیل امور پر موقوف ہے۔

اول۔ معاشرتی ضروریات کے واسطے جو امور ضروری الاحد ہیں وہ مہیا

کئے جائیں۔

دوم۔ جن امور اور جن کوائف سے معاشرتی اغراض کا بہتر ہونا ہو وہ موجود ہوں

سوم۔ معاشی اور معاشرتی مشکلات نہ رہیں۔

چہارم۔ پاکستان میں باعتبار معاشرتی اصولوں کے جو جو مواد مہیا ہو چکے ہیں اُن کو قیام اور جدید مواد کی تکمیل او ظہور ہو۔

پنجم۔ جو امور اور جو کوائف مخفی ہیں اُن کا اظہار کیا جاوے۔

ششم۔ جو باتیں اور جو کمالات ایک فرد یا ایک گروہ کو حاصل ہیں۔ دوسرے بھی اُن سے مستفید ہوں۔

ہفتم۔ نقص اور خوبی کے اعتبار سے ممالک عالم میں ایک تمیز اور جانچ واقع یا حائل ہو۔

غرضیکہ یہی سب ضرور رہیں کہ جن پر دنیا کی ہر ایک قوم کی ترقی کا انحصار اور مدار ہے۔ اور انہی مواد کی تحصیل میں دنیا اور دنیادار سرگرداں اور حیران ہیں۔

۲۔ ایک ہستی یا ایک وجود جب دوسری ہستی یا دوسرے وجود کو کچھ دیتا یا اس سے کچھ سنتا یا پاتا یا حاصل کرتا ہے خواہ وہ علمی ہو یا حسی یا لمسی یا وہمی تو وہ ایک مبادلہ کرتا ہے۔

یا یوں کہو کہ مبادلہ۔ ورثت۔ احساس۔ لمس۔ تخیل۔ وہم۔ لطف و محاطبت۔ مکالمت۔ اور تداول کا ایک انتقالی نام ہے۔ یعنی ان کوائف کا انتقال ایک مبادلہ سے۔

۳۔ مبادلہ کی قسمیں حسب ذیل ہو سکتی ہیں۔

(الف) علمی۔

(ب) سمعی۔

(ج) وجدانی۔

(د) حسی۔

(ہ) لمسی۔

(د) وجودی۔

(ر) خیالی۔

عینی۔ جب انسان کا کوئی اور روح دوسری ہستی یا دوسرے وجود کو دیکھتا پایا جاتا ہے تو اُس وقت اُس کے عینی ادراک سے اُس کے ذہن اُس کے باطن۔ اس کے حواس پر ایک سا اثر ہوتا ہے وہ اپنے دل اور اپنے دماغ میں ایک حرکت اور ایک جدت محسوس کرتا ہے۔

وہ جدت اور وہ عینی احساس ایک تبادلہ ہے کیونکہ جس طرح اس کے دل و دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے۔ اسی طرح دوسری ذات متاثر ہوتی ہے۔ جب ہم ایک جسمی یا ایک چیز کو دیکھتے ہیں تو ہماری نگاہیں اپنے دل اور اپنے دماغ میں اُن تازہ معلومات کا ایک ذخیرہ پاتی ہیں اور اس ذخیرے سے خیالات پر ایک مسلسل اثر سا ہو کر نئی نئی صورتیں وجدانی طور پر منتقل ہو کر ایک جادۂ راہ اور ایک بالقصد دکھاتی ہیں۔ عام اس سے کہ وہ جدید راہ یا جدید نقشہ اثر کے لحاظ سے کس حیثیت کا ہو

ہم اپنی آنکھوں اور اپنی دوربین نگاہوں کو محض ہی صرف نہیں کرتے بلکہ ان کی بدولت اوروں سے کچھ لیتے ہیں اور جو اُن کو کچھ بخشتے ہیں قبل اس کے کہ ہم نے کسی جدید وجود یا جدید ذات کا مطالعہ نہیں کیا تھا ہمارے دل یا ہمارے دماغ میں کوئی یا کسی قسم کا عملی اثر نہیں تھا۔ لیکن جوں ہی کہ صورت سامنے حائل ہوئی ایک عملی اثر پیدا ہو گیا۔ ہماری نظریں جدا ہو گئیں اور ہماری نگاہوں میں ایک بُعد حائل ہو گیا لیکن ہمارے دلوں میں ایک کیفیت نمودار ہو ہی جاتی ہے ہم نے سب سے پہلے اپنے آپ کو ایک سود مندی یا ناسودمندی کی حالت میں پاتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں اور ہمیں محسوس ہو رہا ہے کہ ہمارے صفحۂ قلب پر کوئی سا انوکھا نقش یا عکس اتر رہا ہے

نگاہیں جدا ہو گئیں اور دلوں نے اُن سب کو الٹ کر رکھ لیا۔

اینکہ مرا رحشم ہم دیدہ رفت — لیک دل من بود کہ علیحدہ رفت

در بحر تو این قدر مرا شد معلوم — کز دل رہ و ہر آنچہ ارادہ رفت

ہماری نگاہیں آپس میں جو داد و ستد کرتی ہیں کوئی اگر اُن کا علم نہ ہو مگر تھوڑی

یہی دوسرا وقفہ کے بعد ہمارا قیاس ہمارا ادراک ہمیں بتا دیتا ہے کہ یہ تبادلہ باعتبار سود مندی یا ناسود مندی کے اس درجہ تک ہے۔

ہماری آنکھیں صرف ذی روح اجساد سے ہی دادوستد نہیں کرتیں بلکہ غیر ذی روح اجسام اور کیفیات سے بھی یہ عمل جاری ہے۔ ہم ایک عجیب پتھر کو دیکھتے ہیں ایک خوش نما جانور ہماری نظروں سے گذرتا ہے ایک دلچسپ پودا دکھائی دیتا ہے ان مشاہدات سے ہمارے دل پر ایک اثر ہوتا اور جدید معلومات کے ذریعہ امداد ملتی ہے گو دوسرے حواس کو ہمارا علم کامل ادراک اور ضمیر شعور کے ساتھ نہ ہو۔ اور ہماری نگاہیں آنکھیں جدید معلومات کا کام دیں مگر ہم ان سے کبھی اس طرح پر مستفید ہوئے اور اس حیثیت سے سود مند یا ناسود مند تبادلہ کرتے ہیں کہ جیسے ذی عقل یا ذی روح اجساد سے ہوتا تھا۔ قدرت ہمیں اسی اندرونی مضمون اور خداداد خوبیوں سے آگاہ کرتا۔ اور ایک خوش آئند جانور اپنی رسیلی آوازوں سے خوش بناتا اور ایک سرسبز پودا اپنی سرسبزی اور خوشنمائی سے دکھاتا اور ایک ندی کی دردناک آواز سمجھاتی اور سمجھاتی ہے کہ قدرتی ہاتھوں نے ذی عقل اجساد کے سوا نباتات اور جمادات میں بھی کیا کچھ ظاہری اور باطنی خوبیاں اور لطائف ودیعت کر رکھے ہیں ان کی خوبی اور ان کی عمدگی ہمیں ان سبقوں پر لے جاتی ہے کہ ہم جن سے اپنی معاشرت اپنی خوشی اپنے حظ اپنے معاد کے سود مند معانی اخذ کرلے اور سند کے طور پر سینہ بسینہ انہیں دلچسپ واقعات کو مختلف نسلوں تک پہنچاتے ہیں۔

یہ سمجھو کہ انسان انسان ہی سے سبق لیتا ہے۔ نہیں نہیں آنکھیں بینا اور دماغ پختہ چاہئے ان جڑی بوٹیوں سے بھی صدہا مفید سبق مل سکتے ہیں۔

ایک خوش الحان پرندہ بولتا اور دور پہاڑ کی چوٹی یا کھلے میدان میں ایک نے یا ایک بانسری بجتی ہے۔ ان میں سے ایک بے عقل زندہ اور ایک محض مردہ ہے پھر دیکھو دونوں کی دردناک آوازیں اور دلربا صدائیں سننے والوں کے دلوں پر کیا کچھ آفت لاتی ہیں انسان چلتے چلتے ٹھہر جاتے ہیں اور حیران ہو کر دیکھتے اور گوش توجہ سے سنتے ہیں دل لرزتا اور جگر میں ایک جلن اور دماغ کے اندر ایک حرکت پیدا ہوتی ہے۔

مگر بانسری کی خوش آئند آواز دلوں پر قبضہ کر لی جاتی ہے۔ سخت دلوں کا ذکر نہیں جنھیں خدا نے درد دیا ہے وہ کہہ سکتے ہیں کہ گیانے کا جادو انسان کے جادو اور بانسری کے لب انسان کے لبوں سے زیادہ پر موثر بات نہیں ہوتے۔

یہ قصہ جانے دو کہ خوش الحان پرند کیا بولتا اور سے کیا کہتی ہے۔ یہ کہو کہ ان جمادات کا اثر دلوں پر کیسا ہوتا ہے۔ اور رگ و ریشہ میں درختوں کی طرح کیسے دورہ کرتا ہے۔

نگاہ ہر نظر سے ترے شکار کوئی　　جگر کے پار ہے کوئی تو دل کے پار کوئی

یہ قصہ بھی رہنے دو کہ لَے نَے میں نہ ملا کا اثر کس کے لب کے وصل سے پیدا ہوا اور اس سوکھی لکڑی میں کس جان بخش لبوں نے روح درد پھونک دی۔ یہ بھی نہ پوچھو کہ بانسری اپنا دکھڑا رو رہی ہے یا کسی اور کا۔

ہمارے سامنے لازم نہیں چرچے رقیبوں کے
کوئی ذکر اور چھیڑو باتوں باتوں میں نہ شر نکلے

سمعی علمی شاہدہ یا تبادلہ سے دوسرے درجہ پر سمعی مبادلہ ہے۔ انسان سنتا بھی ہے اور سناتا بھی ہے۔ ان دونوں عملوں سے انسان بہت سی باتیں اخذ کرتا ہے۔ اور بہت سی باتیں اُس سے اخذ کی جاتی ہیں۔ ہم ایک بات سنتے ہیں اور سننے کے ساتھ ہی ہمارے دل اور ہمارے دماغ پر ایک اثر ہوتا ہے اُس کے متعلق اور جس قدر کیفیات ہوتی ہیں وہ سب ہماری نگاہوں میں پھر جاتی ہیں۔ اور ہم ہمدردی طور پر ایک دوسرے کے ساتھ واقعات کا تبادلہ کرتے ہیں۔

ہم سنتے ہیں کہ ایک ملک کے لوگ اس طرح رہتے اور یوں بود و باش رکھتے ہیں۔ اس طرح ان کا تعلیمی سلسلہ ہے اور یوں اُن کی معاشرت ہے اُس کے ساتھ ہی ہمارے حالات میں ایک تموج پیدا ہوتا اور ایک تبدیلی ہونے لگتی ہے۔ گو ہم دوسری جانب کو اُس کے سعادت حصہ میں کچھ نہ دیں یا وہ خود ہم سے کچھ اخذ نہ کرے مگر ہمارے ادراکی سرمایہ میں ایک بیشی ہو جاتی ہے۔ عام اس سے کہ اس کا نتیجہ خوبی ہو یا نقص۔

سمعی مبادلہ کا اثر اور جذب بعض اوقات علمی تبادلہ سے بھی بہت بڑھ کر رہا ہے دنیا کی اکثر مخاصمتوں منافسوں جوش او ولولہ کا ابتدائی سبب اکثر اوقات میں سمعی مبادلہ

ہوجاتا ہے۔ تھا اور طبیعت میں کچھ کا کچھ رنگ جم گیا تھا اور دماغ چکرا گیا۔
اور دل میں حالات کا ہجوم ہونے لگا۔

نہ تنہا عشق از دیدار خیزد　　بسا کیں دولت از گفتار خیزد

وجدانی۔ انسانی ادراک بصر اور سمع پر موقوف نہیں۔ وجدان پر بھی انحصار ہے گو وجدانی ادراکات کا بہت سا حصہ بھی باہمی موجبات اور اسباب پر موقوف ہے لیکن یہ ماننا پڑے گا کہ وجدانی طاقت بھی ذاتی طور پر تبادلہ کرتی رہتی ہے آنکھیں دیکھتی اور کان سنتے ہیں۔ حواس محسوس کرتے اور جوارح کام دیتے ہیں۔ وجدانی طاقت ان سب اسباب سے نتیجہ نکالتی اور پہلے ذخیروں سے نتیجوں کا تبادلہ کرتی ہے۔

جب کبھی انسان اپنے آپ کو چند حالات کے نرغہ میں بحالت ایک کشمکش اور حیص بیص کے پاتا ہے اور ایک خیال کو ہٹا کے دوسرے خیال کو رکھتا اور پھر اسی کو پھر واپس لیتا ہے تو وہ حالت وہی ہے کہ جس کو دوسرے الفاظ میں وجدانی تبادلہ کہا جاتا ہے۔ ہم ایک معادلہ میں قائم کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کی نفی کلی کر دیتے ہیں۔ ایک بات کی نفی کرتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی اس کے اثبات پر متوجہ ہو جاتے ہیں۔ یہ کیا ہے؟ یہی وجدانی تبادلہ اور یہی وجدانی حیص بیص۔ اس کا تماشا کر سکتے ہو؟ کچھ مشکل نہیں وجدانی آنکھیں کھولو اور اس کا تماشا کرو۔

نہ راہیں چل اگر فکر بقا ہے نام سے غافل
نظر کر کہہ رہے ہیں سالکوں کے نقش پا تجھ سے

وجدانی تبادلہ کے مشاہدہ سے انسان ایک نشاط باطن اور سرور حاصل کرتا ہے اور اس پر ثابت ہو جاتا ہے کہ قدرتی مشینیں کس خوبصورتی سے کام کر رہی ہیں۔

حسی۔ احساس بصر۔ سمع۔ خیال۔ غور اور قیاس سے متعلق ہے۔ بہت سے واقعات کو ہم نظری اور سمعی طور پر محسوس کرتے ہیں۔ اور اکثر کو خیالی اور قیاسی طریق سے کوئی سا طریق ہو۔ ہر ایک حالت اور ہر ایک طریق عمل میں بالاحساس تبادلہ

خیالات کا ہو ا رہتا ہے - ایک حالت کے احساس کے ساتھ ہی ہمارے رگ و پے
میں ایک قسم کی حرکت طاری ہوتی ہے اور ہم اپنے دل میں ایک نئے قسم کا جوش پاتے
ہیں - اس حرکت اور اس جوش سے ہم واقعی ایک طاقت اور ایک عمل حاصل کرتے
ہیں - وہ جدید طاقت یا وہ جدید عمل ہمارے دماغ پر معاملہ دیگر معمولہ صورتوں کے ایک
اور ہی اثر کرتا ہے جو اپنی ذات میں تعمیر ہوتا ہے - یہی صورت اور یہی حالت ایک حسی
تبادلہ ہے - ہر ایک قسم کا احساس ایک قوی الاثر عمل ہے اور وہ قریبا ہر ایک طاقت
انسانی سے وابستہ ہے -

لمسی - ہم بہت سی حالتوں اور کیفیتوں کو قوت لمس سے پاتے اور دریافت
کرتے ہیں اور اس عمل سے تبادلہ حالات صورت پذیر ہوتا ہے -

وجودی - وجودی تبادلہ وہ ہے جو بہ حیثیت ایک وجود یا ایک حس کے عمل پذیر
ہو خواہ وجود محسوس بالوجود ہو اور خواہ محسوس بالمعقول اس قسم کا مبادلہ ناگہانی
یا اتفاقی نہیں ہوتا ہے - بلکہ ارادی - ہم ایک مثال کو ایک دوسرے شخص کے روبرو
بہ حیثیت ایک کاتب یا ایک مسئلہ کے پیش کرتے ہیں اور اس کو [illegible] مائل پاتے ہیں
یہ ایک وجودی مبادلہ ہے - ایک چیز یا ایک شے کسی شخص کو [illegible] اور اس سے کوئی
اور شے پاتے ہیں یہ ایک حسی تبادلہ ہے ان دونوں صورتوں [illegible]
دل و دماغ پر ایک جوہری اثر ہوتا ہے عام اس سے کہ [illegible]
تک قائم رہے -

خیالی - تبادلہ کی یہ قسم ہمارا ایک عام اصول [illegible]
عادی ہے کوئی قسم لی جاوے وہ تکمیل کے قابل ہے خالی [illegible] علم
کی جامع ہے -

ہم نے اوپر تشریح جس کی ہے اس شق میں کئے دیتے ہیں کہ مبادلہ ہمارا ذاتی
دونوں کے مندرجہ ذیل صورتیں رکھتا ہے -

اتفاقی

ارادی

اتفاقی۔ وہ حالتیں ہیں جو ناگہاں رونما پذیر ہوتی رہتی ہیں۔ ہم عام طور پر بلا کسی تخصص کے جو کچھ دیکھتے اور جو کچھ کہتے سنتے ہیں۔ یہ سب اتفاقی حالتیں ہیں۔

جب ہم ارادتاً کوئی بحث کرتے یا معلومات بڑھاتے یا کسی امر کی تحقیق اور ادراک میں مشغول ہوتے ہیں تو وہ ایک ارادی صورت ہے۔

ان صورتوں کے سوائے کہ جن کا ذکر ہم نے اوپر کیا ہے۔ یہ شق دہم اور طرح پر بھی حاوی ہے۔ خیالی حالتوں سے خیالات کا اظہار ہی مراد نہیں ہے۔ بلکہ علمی اور روحانی صورتیں بھی مد نظر ہیں۔

اگرچہ دنیا میں ہر ایک قسم کے مبادلہ کی ضرورت اور وجود پایا جاتا ہے۔ لیکن اس بحث میں ہماری اصلی غرض خیالی تبادلہ سے ہی ہے۔ درحقیقت مبادلہ خیالات سے ہی انسانوں کی معاشرت اور معاد پر ایک غیر محدود اور قوی اثر پڑتا ہے۔ گو ہم نے اس شق کو خیالی کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ مگر دراصل یہ حقائق کا مبادلہ ہے۔

(۴) اب ہماری بحث کا رخ بدل گیا اور اس تبدیلی سے ہم یوں کہیں گے کہ دنیا کے حقائق۔ علم گیاں۔ اور غیر علم گیاں۔ مبادلہ خیال کے ذریعہ سے خواہ وہ کسی قسم سے ہی کیوں نہ ہو۔ ایک جگہ سے دوسری جگہ میں اتفاقی یا ارادی طریق سے منتقل ہوتی ہیں اور صرف مبادلہ خیال ہی اس انتقال کا موجب ہے۔

حقائق۔ ہمیشہ ادھر اُدھر آتے جاتے اور مبادلہ پذیر ہوتے ہیں اور اس تبادلہ کی وجہ سے ملکوں اور قوموں میں شائستگی اور تہذیب ناخواندگی اور نقص کی بنیادیں پڑتی ہیں۔ یہ بحث طلب ہے کہ اشغال حقائق یا تبادلہ خیالات کی صورت کیونکر واقعہ ہوئی ہے۔

اس کی یہ صورتیں ہیں۔

(الف) انسانوں کا اختلاط اور نقل حول۔

(ب) سیاحت یا سفر

(ج) تجارت

(د) مذہب

(٥) حکومت

انسان ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور ایک دوسرے کے پاس آتے جاتے ہیں کوئی سیاحت اور سفر کے ذریعے سے مختلط ہوتا ہے اور کوئی تجارت اور حکومت یا مذہب کے وسائل سے اثر ڈالتا ہے یہ سب حالتیں بجائے خود قوی الاثر ہیں لیکن اور جگہ سے اول تو کوئی مبادلہ خیالات ہوتا نہیں اور اگر ہوتا بھی ہے تو اس کا اثر اور اس کی بنیاد بہت ہی کمزور اور بودی ہوتی ہے۔

جن لوگوں نے قوموں کی تاریخی حالتوں کو غور کی نگاہوں سے دیکھا ہے۔ وہ اس امر کی تصدیق کر سکتے ہیں کہ جبری تبادلہ خیالات کا اثر آخر کس جنس سے ظاہر ہوتا رہا ہے اور وہ کہاں تک موثر ثابت ہو سکا ہے۔ کچھ شک نہیں کہ بعض وقت حکومتیں بعض خیالات کو مٹا سکتی ہیں اور مذہبی جوش کا اثر ہو جاتا ہے۔ لیکن ایسی حالتوں کو قیام اور ثبات نصب نہیں۔

وہی تبادلہ خیالات قوی الاثر ثابت ہوتا ہے کہ جو بلا کسی جبر اور جوش کے بتدریج ہوتا چلا جاوے۔ ایسی حالت میں لوگوں کو یہ علم بھی نہیں ہوتا کہ اُن کے دلوں اور دماغ میں کیا کچھ صورتیں اور نقوش منعکس ہو رہے ہیں۔ مخلوق خدا میں باہمی نفرت۔ محبت۔ عداوت۔ بیزاری کی گرم بازاری چلی جاتی ہے مگر تبادلہ خیالات کی حکومت کا سکہ ایک دلاوری اور خاموشی کے ساتھ کس و ناکس اور ہر فرد خلائق کے دل و دماغ پر جمتا چلا جاتا ہے۔

قومیں ایک دوسرے سے نفرت کریں اور فرقے ایک دوسرے کو بُرا سمجھے ہیں۔ لیکن جن خیالات اور جن حالات کو اُن کے دلوں اور اُن کے دماغوں اور اُن کے وطن اور اُن کے ملک پر اثر ڈالنا ہے۔ وہ ایک خاموشی اور بلا سے روی سے موثر ہوتے چلے جاتے ہیں۔

(٥) لوگ ایک دوسرے کو مطعون کریں اور بُری نظروں سے دیکھتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ ایک کا جادو دوسرے پر نہ چل جاوے۔ ایک دوسرے کا معمول نہ ہو سکے۔ یہ خیالات روکنے سے رکتا نہیں۔ دنیا اسی دھن میں لگی رہتی ہے اور تبادلہ خیالات کی

نکلی جنکے سے ایسا کام کر لی جاتی ہے۔

ہر زمانہ میں قوموں نسلوں لوگوں نے تبادلہ خیالات کی اثر پذیری سے نفرت ظاہر کی اور اس عمل کو حقارت کی نگاہوں سے دیکھا مگر زمانہ نے اپنی چال نہ بدلی آخر ثابت کر کے دکھا دیا کہ تبادلہ ہو کے رہتا تھا۔ یہ ایک سدی تھی۔

دل۔ دماغ۔ زبان سب اسی رنگ میں رنگے گئے۔

تاجروں۔ سیاحوں۔ حاکموں۔ اور فاتحوں نے کوشش کی کہ مفتوحہ قوموں کے آثار اور خیالات ان پر موثر نہ ہوں مفتوحہ قومیں مفتوحہ نسلیں مختلط لوگوں نے بہتیرے زور مارے کہ اس زد سے محفوظ رہیں۔ لیکن جن خیالات کا عکس پڑنا تھا پڑ کے ہی رہا۔ قوموں اور فرقوں نے مخصوص فرقوں کو جدا کر کے بھی دیکھ لیا تب بھی نہ ہوا نہ ٹری کی۔

بے شک ہیں پائے طلب علم و کمالات رکتا ہیں سو کبھی نالہ میں قہر سد
شہروں کے نقشے۔ آبادیوں کے نمونے لباس کی تراش خراش۔ لوگوں کی چال ڈھال پست برجستہ میل جول۔ ایک اور آبرو یہ سب خبریں سکھے دیتی ہیں کہ تبادلہ خیالات کے اثرات نے کہاں تک نفوذ کیا ہے اور کس عمدگی و خاموشی سے دیار قلوب پر یہ اثر اور یہ عمل ہو رہا ہے۔ ہاں کہا جاوے گا کہ کسی پہ کم اور کسی پہ زیادہ لیکن اس سے کون انکار کر سکتا ہے کہ کم و بیش معمول ہر ایک ہے۔

(۶) تبادلہ خیالات یا انتقالِ حقائق نہ تو ہمیشہ سودمند ثابت ہوتا ہے اور نہ ہی نا سودمند تبادلہ یا انتقال ایک حقیقت کی حقیقت یا ایک امر کی اصلیت کو بدل نہیں کر پاتا جس حیثیت اور جس حقیقت سے کوئی حقیقت ہوتی ہے اسی حیثیت سے منتقل ہوتی ہے۔ ہاں یہ دوسرا امر ہے کہ اس کی اصلیت کو باسباب دیگر اور حالت بدلا یا جاوے۔ جیسے ہم نے یہ کہا تھا کہ تبادلۂ خیالات درحقیقت حقائق کا تبادلہ یا انتقال ہے۔ ایسے ہی یہ کہا جاوے گا کہ ایسا تبادلہ یا ایسا انتقال اکتساب حقائق ہے۔ ہم ہمیشہ الہامی یا ارادی طریق پر اوروں سے جو کچھ سیکھتے اور انکو کچھ سکھاتے بھی ہیں۔ صحیح طور پر تبادلہ نہ دریافت کیا جا سکتا ہے کہ ایسے تبادلۂ خیالات کا اعتبار

سود مندی یا ناسود مندی کے معیار کیا ہے۔ ہماری رائے میں تحقیق حق کے واسطے
جو جو اصول اور ضوابط عام طور پر مقرر ہیں وہی مبادلہ خیالات کا معیار بن سکتے ہیں۔

مبادلہ خیالات کی کیفیت اس امر کی مستلزم نہیں کہ ہم سرسری طور پر یا ایسے مبادلہ
کے ساتھ ہی ایسے خیالات متبدلہ کے تسلیم کرنے کی آمادگی ظاہر کریں یا اُن سے محترز رہیں
ہمیں ضرور ہے کہ اُسی ضابطہ اور قاعدہ سے اُنکو بھی دیکھیں اور پرکھیں جو ضابطہ اصولاً
تحقیق حق کے لئے مرعی ہے۔

ہم اپنے سلسلہ زندگی میں اکثر تغیرات کو دیکھتے اور اکثر تبدلات کو پاتے اور
محسوس کرتے ہیں اکثر ہوائیں آتی اور ہمیں چھو کر کے گذر جاتی ہیں۔ کیا یہ ضروری نہیں
ہے کہ ہم اُن سب کو غور کی نگاہوں سے دیکھیں اور سود مندی یا ناسود مندی کے
اعتبار سے اُن کا خیر مقدم کریں یا اُن سے بچیں اور سوچیں کہ ان میں سے کون حالت
یا کون کیفیت مناسب ہے اور کون نامناسب۔

وہ شخص جو ایک شاہ راہ پر بیٹھے تمام گذرنے والوں کو ہی اپنا رفیق یا حریف
قرار دیتا ہے وہ اپنے اور اپنے حالات کے واسطے سچا معاملہ نہیں کرتا۔ وہ اپنی زندگی
کو ایک جھمیلے میں ڈالتا اور اپنے اغراض کو گرداب ناکامیابی میں ڈھکیلتا ہے
وہ یہ نہیں جانتا کہ ان گذرنے والوں سے کون اس کی طبیعت اور اُس کے
حالات کے موافق ہے اور کس کو اُس سے منافرت اور مغائرت ہے کیا اس طرح آ
رکھ سکتا ہے کہ نہیں یہ بے تمیزی سے کام لینا ہے۔

ہم اپنے ہمرنگ سے خیالات کا مبادلہ کرتے ہیں۔ ہمارے دماغ سے کچھ خیالات
دوسرے دماغوں میں حلول کرتے ہیں اور کچھ دوسرے دماغوں سے ہمارے
آتے ہیں ہمارا فرض ہے کہ ہم جو کچھ پاتے ہیں اُسے میزان عمل میں وزن کرنے کے
بعد قبول یا رد کریں اور محاسبہ سود مندی اور ناسود مندی پر پرکھیں کیا ہم یہ کہہ
سکتے ہیں کہ جو جو خیالات ہم جا بجا اوروں سے لئے جاتے ہیں وہ بہ ہیئت مجموعی منافع
کا درجہ رکھتے ہیں اور حقیقتاً حق سے معرا نہیں ہیں
بہت سے خیالات اس قسم کے ہم [illegible] پاتے ہیں کہ وہ اپنی ظاہری حالت

ملک کے اعتبار سے فی الواقعہ خوشنما ہیں۔ حقیقت الامر یہ ہے کہ وہ اوروں کے حق میں سود مند ہوں۔ لیکن ہمارے کوائف کے مخالف ہو سکتے ہیں۔ ان کی خوش نمائی تو ہمیں ان کے اندر محسوس کرتی ہے لیکن اپنے کوائف کی مخالفت مانع ہوتی ہے۔ ایسی حالت میں ہمیں بڑے عزم و احتیاط اور تامل سے کام لینا چاہئے۔ اگر ہم بلا غور و فکر انکو اپنا دستور العمل بنا لینگے تو یقیناً ہمیں اپنے نا سود مند عمل سے کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ اور ہم ایک ایسی راہ اختیار کرینگے جو ہماری منزل مقصود کو نہیں جاتی ہے۔

(۸) تمام اصول کے لحاظ سے ہمارے خیال میں ہر ایک مسئلہ خیال کی سود مندی اور نا سود مندی کا معیار مندرجہ ذیل امور ہو سکتے ہیں۔ اگر ان امور کے لحاظ سے ان کا انتخاب کر کے عمل میں آویگا تو ہمیشہ کامیابی کا یقین رہیگا۔

(۱) اس کی ضرورت۔

(۲) اپنی موجودہ حالت سے مقابلہ۔

(۳) اس کی حقیقت اور اس کا ثبوت۔

(۴) اس کی وسعت سود مندی۔

ہم تبادلہ میں اوروں سے جو خیال لیتے ہیں کہ ہماری طرز معاشرت اس قبول سے بھی جاتے اور ہماری طرز زندگی ان خیالات سے زیادہ بہتر اور پر دلکش ہو سکتی ہے اس سے پہلے کہ ہم ان بارہ اصولوں پر عمل کریں ہمیں دیکھنا چاہئے کہ اسکی ہمیں ضرورت کیا ہے۔ اس کے مقابلہ میں ہماری پہلی اور موجودہ طرز معاشرت کیسی ہے۔ اسکی حقیقت کیا ہے اور اس کا ثبوت کیسی دلائل اور کن واقعات سے ہوتی ہے۔

وہ [illegible] سود مندی کے کیسے [illegible]

اگر ان [illegible] کے اختیار کرنے اور [illegible] تو اس اصول کی [illegible] کہ وہ اوروں [illegible] افراد کے واسطے اچھے اور [illegible] ایک [illegible] بات ہے [illegible] باتیں اوروں کے واسطے [illegible] ان کا وجود اور ان کا عمل موزوں نہیں۔

یہ اعتراض پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا حقائق اتفاقی صورتوں میں تبدیل ہو جاتے ہیں
اور کیا ایک حقیقت ایک موقعہ پر حقیقت ہے اور دوسرے پر دائرہ حقیقت سے نکل
جاتی ہے۔ مگر یہ اعتراض درست نہیں ہے۔ حقیقتیں کبھی اپنی حیثیت کو ترک
نہیں کر سکتی ہیں۔ لیکن حقائق یکساں کیفیت یا یکساں کمیت کے نہیں ہیں حقائق
باعتبار اپنے اقسام کے چند قسمیں رکھتے ہیں۔

(۱) حقائق کلیہ (۲) حقائق جزئیہ۔ (۳) حقائق عامہ۔ (۴) حقائق خاصہ۔
(۵) حقائق قومیہ۔ (۶) حقائق ملکیہ۔ (۷) حقائق معاشرت۔ (۸) حقائق معاد

حقائق عامہ اور حقائق کلیہ وہ حقائق ہیں جو ہر وقت اور ہر ملک میں بلا کسی
تغیر کے اپنا اثر ڈالتے ہیں اور ہر دولت کو ہر وقت اُن کی ضرورت ہے اور انسانی
زندگی کی اعلیٰ غرضیں اُن کے وجود سے مربوط اور وابستہ ہیں اگر ایسے حقائق صرف
جنوبی جانب میں ہی ہوں تو دیگر اطرافِ شرق و شمال اور غرب میں بھی وہی اثر
اور وہی خوبی رکھینگے جو انہیں جنوب میں حاصل ہے۔

جو **حقائق جزئیہ یا قومی** ہیں اور بعض ایسے اسباب سے وابستہ ہیں۔ جو اُسی
خطہ یا اُسی قوم سے مربوط ہیں اُن کا بعض اوقات تو دوسرے خطہ والوں اور
دوسری قوموں سے معاملہ ہو سکتا ہے۔ لیکن بعض اوقات بالکل مغائر ثابت
ہوتے ہیں۔ ایسے حالات اور ایسے کوائف میں اُن کا قبول اور اُن پر عامل ہونا گویا
مخالف بات ہوگا اور وہ حقیقت باوجود اس کے کہ دوسروں کے مقابلہ میں ایک
حقیقت ہے۔ اس گروہ کے واسطے کبھی بلحاظ حالات موجودہ کے سودمند حقیقت ثابت
نہ ہوگی گو وہی حقیقت کسی اور موقع پر بوجہ تغیر و تبدیل حالات اور کوائف کے کسی قدر
مفید نکل آئے۔

ڈاکٹروں اور اطباء کے نزدیک ہر جڑی بوٹی اور ہر دوا کو بجائے خود ایک اثر
حاصل ہے اور مصداق حقائق الاشیاء ثابتہ یہ امر بداہۃً ثابت ہے لیکن اس کا اثر
ہمیشہ طبائع یا کبھی کبھی موسم کے لحاظ سے ظاہر ہوتا ہے باوجود اس کے کہ ایک شئے

ایک طبیعت یا ایک فرد میں کچھ اور اثر رکھتی ہے یا دوسری طبیعت میں اس کے خلاف
خلاف عمل کرتی ہے۔ یہ اختلاف صرف مخالف طبیعت یا قبول کرنے والی قوت کے
اختلاف کی وجہ سے ہے اسی طرح دیگر حقائق کا حال ہے۔

چونکہ حقائق کے اقسام اور تخصیص و عدم تخصیص کی بحث بجائے خود ایک علیحدہ
بحث ہے اس واسطے ہم اس کو کسی اور موقع کے واسطے چھوڑ کر صرف اس پر اکتفا
کرتے ہیں کہ ہمیں ہر خیال اور ہر پیش آمدہ صورت کو انہیں اصولوں اور انہیں ضوابط
سے مقبول یا مردود قرار دینا چاہئے کہ جو ہم نے اوپر کے جملوں میں بیان کئے ہیں
اور علاوہ ازیں قبولیت یا تردید اصول حق کے منافی ہے۔

مبادلہ کی اعلیٰ غرض یہ ہونی چاہئے کہ جو شخص یا جو ملک اور جو قوم اسے قبول
کر لے اس کے حق میں وہ یا تو منفرداً مفید ہو اور یا مجموعہ افراد کے لئے سودمند
ثابت ہو اور اس کا سودمند ہونا بالغرض نہ ہو بلکہ بالالتزام۔

متبادلہ خیالات کا صرف اس غرض سے خیر مقدم کرنا رہا ہے کہ ان کے اتصال
سے ایک سوسائٹی یا ایک قوم یا کم سے کم ایک ذات واحد میں بہبود اور بہتری کی
صورت پیدا ہو اور ولادیر ہمہ گیراں تابع زندگی میں نشو و نما پاویں۔ اور ان کے
ذریعہ سے وہ امور اور وہ باتیں اور وہ فتوحات حاصل ہوں۔ جن کا وجود پہلے نہ تھا
اور جن کا حصول ضروری ہے۔

جو لوگ تبادلہ خیالات سے صرف ایک جدت اور فیشن کے طور پر مستفید ہوتے
ہیں وہ دراصل کوئی اعلیٰ غرض حاصل نہیں کرتے بلکہ عارضی طور پر ایک ایسا عمل
کرتے ہیں جو ان کے یا ان کے اور افراد کے حق میں بالخصوص مفید ثابت نہیں ہوتا
اور نہ ہی ان کے اس عمل سے سوسائٹی یا قومی افراد کے حق میں کوئی صورت
ترقی کی نکلتی ہے۔

دراصل ایسی حالت میں جو ان لوگوں کا بھی ان پر وثوق اور اعتبار نہیں
ہوتا وہ جب دیکھتے ہیں کہ جس مادہ سے انہوں نے اس نئے خیال کا تبادلہ کیا تھا

اب اُسی ماحول میں سے ایک اور خیال معرض ظہور میں آکر نشو ونما پا رہا ہے تو وہ بہت
گھبراتے اور مضطرب ہوتے ہیں اور جلدی کرتے ہیں کہ اُس پہلے خیال کے معاوضہ
میں اُس جدید خیال کو قبول کریں۔ یہ مجبوری انہیں صرف اس واسطے لاحق ہوتی
ہے کہ وہ حقیقت کے اعتبار سے عامل نہیں ہوتے بلکہ محض فیشن کے لحاظ سے
دراصل ضرورت اور فیشن کے معانی اور اغراض میں بہت کم فرق رکھا جاتا ہے
خواہ مخواہ ضرورت کے اعتبار سے اصرار کی جاتی ہے یا جسے ضرورتاً ترک
کرتے ہیں۔ وہ اپنے ساتھ دلائل رکھتی ہے۔ لیکن جو عمل محض دیکھا دیکھی ہوتا ہے
وہ آخیر پر ایک تماشا تماشا سا ہوتا ہے۔ ضرورت سودمندی اور پاس سودمندی کو مقدم
رکھکر تبادلۂ خیالات سے حصہ لو یہی عمل تمہارے حق میں ایک مستقل فائدہ ہے۔

تبادلہ خیالات کی سودمندی باعتبار وسعت۔ تبادلہ خیالات
شخصی بھی ہوتا ہے اور خاص و عام بھی۔ اتفاقی بھی اور ارادی بھی۔ موثر بھی اور غیر موثر
بھی۔ سود مند بھی اور پاس سودمند بھی۔ عارضی بھی اور لازمی بھی۔ جزئی بھی اور کلّی بھی
ایک شخص پر بھی اس کا اثر ہوتا ہے اور ساری قوم پر بھی یا صرف ایک مخصوص گروہ
پر۔ تبادلہ خیالات خواہ کسی پیمانہ پر ہو۔ وہ اُس حالت میں مفید ثابت ہوگا جب واقعی
سودمندی کے خیال سے اختیار کیا گیا ہو۔ اگر ایک قوم کسی غیر قوم سے جدید معاشی یا معاشرتی
خیالات کا اخذ یا اکتساب کرے تو وہ اس حالت میں بہ حیثیت مجموعی مفید ہوگا جب
وہ اُن چند اصولوں کی پابندی سے اختیار کیا جاویگا جن کا ذکر پہلے ہو چکا ہے جو تبادلے
محض ریس اور آمد جوش سے کئے جاتے ہیں وہ کسی حالت میں آخیر پر سودمند ثابت
نہیں ہوتے گو وہ بجائے خود صادق ہوں اور اُن میں سودمندی کی صفت پائی جاوے
مگر ان کی ایسی صداقت بوجہ تخلف اُصول **ایضاع الشیٔ فی محلہ** دوسروں پر اپنے
اظہار صداقت سے باز رہتی ہے۔

وہی طریقہ اور وہی تبادلہ اختیار کرو جو بلحاظ اپنی عام سودمندی کے پسندیدہ ہو
اس چال چلو کہ جو کلیتہ مفید ہے اُن راہوں سے پرہیز کرو جو تمہیں منزل اصلی کی منزلوں
سے دور رکھتی ہیں اگر تم چاہتے ہو کہ کسی قوم کی لازوال خوبیوں کا عکس لو۔ تو تمہارا

اعلیٰ ظرفی یہ ہے کہ سر رشتہ اور فرض کے خیال سے ایسا کرو نہ کہ دکھاوا کی یا کور تقلید سے۔

اگر تم غیروں کے کمالات اخذ کرنا چاہتے ہو تو سب سے اوّل یہ دیکھو کہ اُن کا طریق اخذ کیا ہے اور کیا وہ حاصل کمالات ہو سکتے ہیں اور کیا اُن میں صداقت ہے اور اُس کے مقابلہ میں تم اپنے اندر کیا کچھ رکھتے ہو۔ پھر کھرا معاملہ کرو اور پھر کہو کہ معاملہ کیا ہے۔ جو قوم اپنی خوبیوں کو چھوڑتی اور دوسروں کی کہہ بات کو اندھی تقلید سے اختیار کرتی ہے وہ دراصل اپنا خزانہ لٹا کر دوسروں کے مال کو تکتی ہے۔ وہ دونوں حالتوں میں قابل نفرت ہے۔

اور جو قوم اپنی برائیوں اور اپنے بُرے خیالات کو غیروں کی عمدگیوں اور غیروں کی اچھائیوں سے صرف اس واسطے نہیں بدلتی کہ وہ غیروں کی ہیں وہ اپنی ذات اور اپنی قوم پر ظلم اور قہر کرتی ہے۔ اچھی عادات اور اچھا خیال جہاں سے ملے ہیں خوشی سے اخذ کرو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم کفران نعمت کرتے ہو۔

بے وقوف اور بے وقر ہے وہ قوم جو اپنی خوبیوں کو ترک کر لے اور دوسروں کی خوبیوں کی طرف حسرت سے تکتی ہے۔ احمق ہے جو اپنی عظمتوں کو حقیر بنا[illegible] اور غیروں کے رذائل کو قبول کرتا ہے۔ اسی طرح ہے وہ فرقہ جو اپنی برائیوں کو غیروں کی اچھائیوں سے نہیں بدلتا۔ ناقص العقل ہے وہ جماعت جو [illegible] اور دعا کرے پر عمل نہیں کرتی۔ بیہودہ ہے وہ گروہ اور پاگل ہے تو وہ شخص جو اپنی برائیوں پر اتراتا اور دوسروں کی نیکیوں اور عمدگیوں کو نفرت اور حقارت کی نگاہوں سے دیکھتا اور بے دوقی سے ترک کرتا ہے۔ اگر ہم ایسا نہ کریں تو تمام نیکیوں کے مالک ہم ہوں گے۔

(بیت)

اگر ہم پہلوئے نقص و ہنر کو بھی دیکھے جاتے
ہمیشہ حسن کو نقص کا تم کبھی دیکھتے جاتے

ایک غلط فہمی — وسعت تبادلہ کی بابت ایک غلط فہمی چلی آتی ہے بعض وقت یہ خیال کیا جاتا ہے کہ تبادلہ خیالات کی معمولی غلطی کل افراد کو کیونکر حاوی ہو سکتی ہے اور اس کا بُرا اثر اوروں کو کیسے متاثر کر سکتا ہے۔ یہ ایک

سرہم ہلانے والی مصاحبت ہے ایک نیا خیال اگرچہ ایک ہی فرد کی ذات میں اثر پذیر ہوتا ہے
لیکن اس کی سمت رفتہ رفتہ بہت سے افراد کو گھیر لیتی ہے لوگ غور نہیں کرتے ورنہ انہیں یہ
معلوم ہو جاوے کہ اسی سے ہی غلطیاں کہاں تک جو ساکت ثابت ہوئی ہیں۔

تبادلہ در تبادلہ اگر تحقیق کرے اور خیال کرتے ہیں کہ ایک خیال یا ایک امر
جس کو ایک فرد یا چند لوگ اختیار کرتے ہیں۔ ساری قوم میں کیونکر ساری ہو جاتا ہے اور
کیونکر ایک جھکاڑی شعلہ میں آ لی ہے۔

یہ نہیں سوچتے کہ ہوا کر کر تمام اذہان میں نفوذ کر جاتی ہے اور کس طرح تمام
اسے قبول کرتے ہیں۔

تبادلہ خیالات بھی ایک ہوا ہے جو چاروں طرف سے چل رہی ہے ہوا کا چلنا
لوگوں کی خواہشوں پر موقوف ہے۔ لوگوں کی خواہش ہو یا نہ ہو وہ ضرور چلے گی اور ضرور
اس کا دلوں اور دماغوں پر اثر ہوگا۔ ۔۔۔ (سیوشیا)

رہنما شوق یہاں کی سرد آہیں ہو گئیں میرے دل سے اُن کے دل کے صاف ابر ہو گئیں

لوگوں کو خبر بھی نہیں ہوئی کہ جدید جدید باتیں انکی طبیعتوں آ کے اخلاقی مساموں
میں گھر کر گئی ہیں وہ لوگ خواص یا سرا تبط اور ضد کرتے ہیں کہ عہدِ دین کے حقائق
صادقہ کو ہم کسی حالت میں بھی قبول نہیں کر سکتے۔ غلطی ہے ہیں) وہ چاہیں یا نہ چاہیں
آفتابِ صداقت کی کرنیں اپنے ذاتی رو سے ہی سرایت کر جاتی ہیں۔ ان کو کوئی
روک نہیں سکتا۔ تو تبدیلیاں بہ واتیرت میں ہوئی ہیں اور جس کی ضرورت ہے اور
ہو رہا ہے پیش کر رہا ہے وہ ہو کے رہیگی خود تم چاہو یا نہ چاہو تمھاری مرضی ہو یا نہ ہو
تم پسند کرو یا نہ کرو۔ صداقتیں اپنی حکومت منوا کے رہیں گی اور حقائق کا عمل و فعل اپنا
دخل پا کر اور اپنا قبضہ جما کر رہیگا۔ زمانہ کی طاقت تمہیں خود ہی سیدھا کرے گی تم خود ہی
رفتہ رفتہ اس مرکز پر آ جاؤ گے جہاں صداقتوں کے آیات کا درس ہوتا ہے
تمھاری ضد اور تمھاری تعصب اخیر پر ندامت کا باعث ہوگی تم تاریخ اسی ذات میں
مختلف تبدیلیاں پاؤ گے اور دیکھو گے کہ تمھارے خیالات میں کیا کچھ حیرت ناک انقلاب ہو چکے
ہیں۔ تمہیں معلوم بھی نہ ہوگا اور تم محسوس بھی نہیں کر سکے لیکن خیالات میں برابر

اور لگاتار تبدیلی ہوتی جاوے کی مایحتاج ضروریات روزمرہ تھیں آپ ہی اُن باتوں
اُن کیفیات پراگندگی جنہیں تم سخت معیوب خیال کرتے تھے۔ ایک طرف سے تم نفرت اور
کراہت کروگے اور دوسری جانب سے تمہاری طبیعتیں خاموشی کے ساتھ تبادلہ خیالات
سے متاثر ہوتی جاوینگی۔

تاریخوں کے ورق الٹو پلٹو اور دیکھو کہ تبادلہ خیالات کے وقت دنیا اور انسانی
جماعتوں میں کیسے کیسے سو وتیر اُٹھے اور کیا انقلابی پڑی اور آخر اس کا نتیجہ کیا ہوا۔
جو لوگ اور جو طبیعتیں مخالفوں پر لگی بیٹھی تھیں وہ باوجود مخالفت کے خود ہی اُن راہوں
پر آٹھہریں جو زمانے نے دکھائی تھیں۔

لیکن سنبھل کے چلو۔ تبادلہ خیالات میں رس اور محض پھر خیال سے بچو حقیقت کے معاملہ
میں ایک حصہ لو اور وہ راہ اختیار کرو جو سیدھی ہو ایسا نہ ہو کہ اندھی رس اور اندھی
تقلید تمہیں اندھا کنواں دکھا دے۔ دنیا میں صد ہا قسم کے خیالات پیدا ہوتے اور گونا گوں
ہوائیں چلتی ہیں۔ لیکن سب خیالات اور سب ہواؤں کا نتیجہ ایک نہیں ہوتا۔ تبادلہ
خیالات سے جو نتیجے حاصل ہوتی ہیں۔ وہ آبِ زلال بھی ہیں اور زہر ہلاہل بھی اور
اِن دونوں میں تمیز ضرور کرنی چاہئے۔

اکثر صورتیں نمائش اور دکھاوے میں دلربا ہیں۔ لیکن سود بہبودی اور ثبات میں
مہلک اور بودا۔ کسی شئے کی ظاہری خوبصورتی یا نمائش وحسن واقعی تسلّی دلوں
اور دردمند روحوں کے واسطے ایک پیغام نشاط افزا ہے۔ لیکن جب سیرت اور جبلّیت
بُری نکلے گی تو یہی حسن اور یہی نمائش وبالِ جان ہو جاوے گی۔

لیکن اس کا خیال رکھو ہر ایک تبادلہ میں قوم اور قومیت کا لحاظ رکھو قومیت
معاشرت کے لحاظ سے نا اگانہ ایک مذہب اور ملت ہے جو لوگ قومی عظمتوں کو قومی خصوصیات
کو کھوتے اور برباد کر دیتے ہیں۔ وہ اپنے بُتِ عظمت کو آپ ہی توڑتے ہیں۔ یاد رکھو
کوئی قوم دوسری قوم کے سامنے اپنے رشتۂ قومیت کو توڑ کر عزت نہیں پاتی۔ یاد رکھو تمہاری
قومیت تمہاری عزت تمہاری عظمت ہے تبادلہ خیالات کے ذریعہ سے سب سے بڑھکر
یہ خیال قابلِ تمسک ہے کہ وہ طریقے جو آجکل مجترم ہیں قومیت کے بُتِ عظیم کو کس بعدیں

اور کس تعلیم کی نظروں سے دیکھتے ہیں اور سادلہ خیالات کی دیوی کا فیصلہ کس نمط کا ہوتا ہے۔

غیروں سے حقائق حاصل کرنے میں سخت سے سخت بن جاؤ۔ جس طرح ایک پرلے درجہ کا حریص اور طامع دوسروں کے مال اور دولت کو دردیدہ نگاہوں سے دیکھتا اور اڑا لینے پر دوڑتا ہے۔ اسی طرح تم بھی کوشش کرو۔ عمدگیوں کو لے لو اور اس پر سو جان سے قربان ہو جاؤ۔ لیکن اپنی قوم۔ قومیت۔ قومی امتیازات کو کبھی بھی ہاتھ سے نہ دو۔

اگر تمہاری قومیت چھٹ گئی اور تم اس دائرہ سے دور جا پڑے تو تم نے کچھ بھی حاصل نہ کیا یہ وہ راز ہے جس نے قوموں کو بنایا اور قوموں کو قائم رکھا ہے یہ وہ بھید ہے جو قوموں کو قوموں میں محترم اور باعزت ثابت کرتا ہے ہماری حرمت ہماری عزت ہمارا اقبال ہماری قومیت میں ہے۔ ۵

مجھے نہ کچھ نظر آتا سوائے جلوۂ یار

جدھر جدھر دل روشن سواد لیکے پھرا

تحسین و نفریں

خواہ ہم کسی خیالوں اور کسی مشرب کے ماننے ہوں۔ خواہ معاد اور معاشرت دونوں کے قائل ہوں اور خواہ صرف معاشرتی تو اس کو ہی مانتے ہوں ہر حالت میں ہم اسی چند روزہ زندگی میں اعمال اور افعال یا خیالات کا ایک مسلسل سلسلہ رکھتے ہیں۔

جوں ہی اس دنیا میں ہم وارد ہوتے ہیں اس ورود کے ساتھ ہی کسی نہ کسی طرح سے سلسلہ اعمال کا شروع ہو جاتا ہے۔ بہت سے ہمارے ایسے اعمال یا خیالات ہیں کہ جو دیگر نوع انسان کی نقاد نگاہوں سے مخفی رہتے ہیں۔ یا نوع انسان کو اُن کی نسبت رائے قائم کرنے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ بہت سے ایسے اعمال یا خیالات ہیں کہ جو نوع انسان کی نگاہوں سے گذرتے ہیں اور اُن پر ریویو کیا جاتا ہے۔

خواہ ہم معاد کے قائل ہوں اور خواہ نرے معاشرتی تو اس کے منبع دونوں حالتوں

میں ہم نے اعمال اور افعال یا خیالات کے متعلق جو قوانین وضع کر رکھے ہیں۔ یہ بحث علاحدہ ہے کہ وہ قوانین بذاتہ کس حیثیت اور کس پایہ کے ہیں۔ اُن قوانین کے ذریعہ سے ہم اعمال اور افعال یا خیالات کا موازنہ کرتے رہتے ہیں۔

اِس عمل ایزان سے ہم بعض اعمال یا افعال اور خیالات کو اچھے قرار دیتے ہیں اور بعض کو ناقص یا مکروہ۔ گو نقص و عمدگی اور حسن و خوبی و درستی کے تعین میں اکثر اوقات اختلاف پڑ جاتا ہے اور تاویلی قانون حسن و خوبی اور بدی و درستی کے پیمانہ یا معیار کو مختلف ثابت کرتا ہے لیکن اس بحث کو علیحدہ رکھ کر یہ تسلیم کرنا پڑیگا کہ ہمارا قانون یا اصول خواہ کچھ ہی ہو ہر حال اعمال افعال اور خیالات کو وزن کیا جاتا ہے۔

نوعِ انسان نے ضرورت۔ تجربہ تاثیر سمجھ اور ما حصل کے لحاظ سے اعمال افعال اور خیالات کے نام اور خصوصیات اور درجے مقرر کر رکھے ہیں خواہ یہ تعینات معادی اصولوں کی تطبیق سے ہوں اور خواہ معاشرتی ضروریات کے اعتبار سے۔

ہم بعض اعمال کو نیک کہتے ہیں۔ اور بعض کو بُرا۔ بعض کو خوب قرار دیتے ہیں اور بعض کو زشت۔

یہ تقسیم خواہ کسی حقیقت پر محمول ہو اور خواہ فرضی اس دائرے میں جہاں اس کی میاد رکھی گئی ہے صحیح تسلیم کی جاتی ہے۔ اور طبیعیوں یادلوں اور دماغوں پر اس کا ایک اثر ہوتا ہے اور قوم یا سوسائٹی کے اکثر امور معاشرتی یا معادی کا اس تاثیر پر ہی انحصار ہے۔ نوعِ انسان اس وقت عموماً تین قسم کے قوانین کے تابع ہے۔ ۱۔ قانون معادی ۔۲۔ قانون معاشرتی۔ ۳۔ قانون حکومتی۔ جس تقسیم کا ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اُس کی میاد عموماً قانون معاد اور قانون معاشرت پر ہے۔ گو قانون حکومتی کے اکثر اجزا بھی انہی دو اصلوں سے لئے گئے ہیں۔ مگر وہ قانون ہر حال معاملہ ان دو قوانین کے ایک جبری قانون آخر۔

اعمال۔ افعال اور خیالات کا تنقیدی عمل اور اس تقسیم یا اثر کا میادی ضابطہ خود نوعِ انسان کی نیچرل آرزو یا خواہش ہے۔ نوعِ انسان بہ حیثیت مجموعی اور بہ حیثیت افراد چاہتی ہے کہ اُس کے فعل اور ترکِ فعل پر ریویو کیا جائے اور ایک ــــ قائم کی جاوے۔

تفصیں رائے سے انسان یا عامل کے دل میں ایک قسم کا قابلانہ یا فطری جوش پیدا ہوتا ہے یا یوں کہو کہ یا تو اُس کے دل پر مایوسی اور بیزاری کا اثر ہوتا ہے اور یا امید اور خوشی کا سماں بندھ جاتا ہے۔

جب دوسرے انسان یا دوسری طاقتیں ان دو نو حالتوں کی بات کھلے الفاظ میں یا عمل طور پر اظہار کرتے ہیں۔ تو انسان اُس پر توجہ کرتا اور اُس سے متاثر ہوتا ہے یہ اظہار دو ہی قسم کا ہوگا تحسینی الفاظ میں یا نفرتی جملوں میں۔

نوع انسان جن اعمال۔ افعال اور خیالات کو اپنے ضوابطہ کی رو سے قبول کرتی ہے وہ تحسین کے مستحق ہوتے ہیں اور جن کو قبول نہیں کرتی وہ مستوجب نفریں۔ ان حالات کے لحاظ سے ہمیں یہ کہنے کا حق حاصل ہے۔ کہ انسان طبعاً تحسین سے خوش ہوتا اور نفریں سے ندامت حاصل کرتا ہے۔ یا یوں کہو کہ نوع انسان طبعی طور پر تحسین کی آرزومند اور نفریں سے نافر ہے بعض حکیموں نے بحث کی ہے کہ اعمال کا اعتبار تحسین و نفریں کے فعل یا ترک کے بجائے خود ایک کاروبولسی ہے۔ لیکن جس درجہ میں ہیچ کر ان حکیموں نے یہ آئیں قائم کی ہیں یا جس آساس تحقق سے یہ کریں نکلی ہیں وہ آسمان تحسین کا ایک اور ہی درجہ ہے۔ معاشرتی ضرورت اور عروج و نزل کے لحاظ سے ہر ایک فردِ نوعِ انسان تحسین کا خواہاں اور نفریں سے نفور ہے جو لوگ تحسین سے کلی نفرت گریں ہو جاتے ہیں وہ اس آرزو کے تارک ہوتے ہیں نہ یہ کہ اُن میں طبعی طور پر یہ خواہش ہی نہیں ہوتی۔ وجودِ آرزو اور شے ہے اور ترک آرزو اور شے ہے۔

ہر ایک قسم کے قانون میں جو انسان کے واسطے موضوع ہے۔ تحسین اور نفریں کا ضابطہ موجود ہے۔ سماوی قوانین میں اُس کو اور الفاظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔ معاشرتی اور حکومتی ضابطوں میں اور طریق پر۔ یہ امر مسلم شدہ ہے کہ نوع انسان کے اعمال اور افعال کا رنگ ہو ہو بے رہبا انسانی ترقیات کی کل کا ایک اعلےٰ جزو یا ضروری پرزہ ہے۔

سماوی قوانین میں سزا اور جزا کا ضابطہ دراصل ایک تحسین اور نفریں ہے۔

یہ کہنا کہ اس فعل سے جنت ملتی اور اس ترکِ فعل سے دوزخ۔ تحسین و تعریف کی
تفصیل کی ایک صورت ہے۔

حکومتی قوانین میں یہ ذکر کہ جو شخص ان افعال کا مرتکب ہوگا۔ اُس کی پاداش یہ
ہوگی۔ اور جو یہ کریگا اُس کا انعام یہ درحقیقت بالفاظ دیگر تحسین و تعریف کی ہی تبلیغ
ہے۔ انسان کا کوئی کام ایسا نہیں ہے۔ کہ جس میں اصول معاد یا معاشرت کے اعتبا
سے تحسین و تعریف کی ضرورت نہ ہو۔

ایک فلسفی کہتا ہے کہ ہر ایک مہم اور ہر ایک امر کے لئے تحسین و تعریف دو عملی علاج
ہیں ان عملوں سے معاشرتی مشین ہمیشہ اپنے اصلی مرکز پر قائم رہتی ہے۔ تحسین سے
غرض یہ ہے کہ جو شخص ایک کام میں مصروف ہے یا جو جماعت ایک کام کر رہی ہے وہ
حوصلہ اور امید کے ساتھ بدستور کام کرتے رہیں۔ اور اُن کے حوصلہ اور ہمت میں روز افزوں
ترقی اور افزائش ہوتی جائے۔ اور دوسرے افراد کو بھی اُس روش پر چلنے اور عمل کرنے
کی تحریص اور ترغیب ہو۔

تحسین ترقی کی ماں اور اقبال و احترام کی کنجی ہے۔ اور انسان کی کوششوں اور
مساعی کا ایک باضابطہ معاوضہ۔ تحسین کا نعرہ درخواست اور التجا سے نہیں نکلتا بلکہ
نوع انسانی سے خود ہی بے اختیار وقت پر نکل جاتا ہے۔ ایک آدمی اچھا کام کرتا ہے
اور لوگ خود بخود ہی تعریف کرنے لگ جاتے ہیں۔ ایک اکھاڑے میں ایک پہلوان اچھے
داؤ چلتا ہے۔ ناظرین بلا درنگ آہا آہا کہہ اُٹھتے ہیں۔

ایک اچھا نمونہ ایک اچھی چیز ایک دلکش سماں ایک خوبصورت آدمی ایک اچھی
نظم ایک دلاویز ترکیب دیکھتے اور سنتے ہی ہر انسان اپنے اپنے مذاق کے موافق طبعی جوش
سے رائے زنی اور واہ واہ پر آمادہ ہوجاتا ہے۔ ایک شاعر شیریں مقال یا واعظ خوش
خصال کے ترکیب داد و الفاظ کے سنتے ہی کیوں دلوں پر اثر ہو جاتا ہے اور کیوں درد
کی ہوائیں رگ و ریشہ میں دورہ کرنے لگتی ہیں۔ وہ کون سی طاقت ہے جو انسان کو
راہ جاتے ٹھہرا لیتی ہے اور اُس کے منہ سے بے ساختہ تحسینی الفاظ کہلوا لیتی ہے؟۔
یہ وہی طاقت اور یہ وہی جوش ہے جو انسان کے دل میں طبعی طور پر تحسین و تعریف کے

نام سے پایا جاتا ہے۔ تحسین کے معاملہ میں تعریف ایک دوسری قسم کا معاوضہ ہے۔ اگر ایک آدمی اچھی حالت میں اچھے معاوضہ کا حقدار ہے۔ تو بُری حالت میں بُرا معاوضہ بھی دیا جاسکتا ہے۔ دوسرے الفاظ میں تحسین قدردانی یا قدرافزائی ہے۔ اور تعریف سے قدری یا تذلیل تعریف سے برائیوں اور ناقص خیالات کا انسداد ہوتا ہے اور نوع انسان پر یہ بات کھل جاتی ہے کہ ایسے افعال سے ایسے نتیجے پیدا ہوا کرتے ہیں۔

جو قومیں تہذیب یافتہ ہیں اور اخلاقی جرأت (مورل کریج) رکھتی ہیں۔ اُن میں تحسین اور تعریف کو عملی طور پر معرض اظہار میں لانے کا رواج ہے۔ اور ان دونو عملوں سے فائدہ اُٹھایا جاتا ہے لیکن جن قوموں میں ابھی اخلاقی جرأت کی کمی ہے۔ اُن میں باوجود اس مادہ کے موجود ہونے کے اس سے عملی فائدہ نہیں اُٹھایا جاتا۔

وہ امور جو سود مندی یا ناسود مندی کے لحاظ سے مشترکہ اغراض کا درجہ رکھتے ہیں اور وہ امور جو قریبًا منفردانہ ہیں ان دونو کی نسبت تحسین اور تعریف کے نام سے ریویو ہونا چاہئیے جو لوگ قوم یا ملک کے واسطے کسی قسم کا کام کر رہے ہیں یا اُن کا وجود باعتبار بعض ضروریات مفید ہے ضروری اور لازمی ہے کہ ان کے کاموں کو ہمیشہ تحسین کی نگاہ سے دیکھا جاوے اور جس معاوضہ کے وہ مستحق ہیں وہ اُن کو دیا جاوے۔ اور جو تعریف کے قابل ہیں۔ اُن سے عملی تعریف کا اظہار کیا جاوے۔

اچھائی کی روح یا بُرائی یا نقص کے انسداد کے لئے جیسے عام تحسین اور تعریف کی ضرورت ہے۔ اور جیسے اس کا اثر ہوتا ہے اور کسی عمل کا نہیں یہ صورت اُس وقت پیدا ہوسکتی ہے کہ حب ذاتیات کی بحث کو الگ رکھا جاوے اور قومی کاموں اور سوسائٹی کی ضروریات کو ایک جداگانہ مسرت سمجھ کر رائے زنی کی جاوے۔

جن ملکوں اور جن قوموں میں تحسین اور تعریف کا صادق عمل جاری نہیں ہے وہاں گویا گیہوں اور جَو کا ایک ہی بھاؤ ہے۔ ایسے ملکوں کی انجمنیں۔ کارخانے۔ اخبارات رسالے۔ مصلح۔ ہمدرد۔ کیوں کامیاب نہیں ہوتے؟ اور کیوں اُن کی محسنوں۔ مساعی اور خیالات میں مایوسی غالب رہتی ہے؟ صرف اس وجہ سے کہ اُن کی خدمات کا اُن کی قوم منصفانہ اندازہ نہیں کرتی۔

جو لوگ بدکن اور اخلاق سوز خدمات رکھتے ہیں پبلک انہیں اُن ہی نظروں سے دیکھتی ہے جن سے احمقوں کو دیکھتی ہے۔ اس حالت میں اُن کو کوئی تنبیہ یا تادیب نہیں ہوتی۔

جب تک عملی طریقوں سے نیکی کو ترقی اور بدی کو شکست نہیں دی جاوے گی تب تک قوم ترقی نہیں کرسکتی۔ جو لوگ اچھا کام کرتے ہیں وہ اِس بات کے مستحق ہیں کہ اُن کی تحسین کی جاوے اور اُن کے حوصلوں کو بڑھایا جاوے۔ اور جو لوگ خودغرضی سے اس میدان میں آتے ہیں۔ ضرور ہے کہ اُن کو نفرین کی نگاہوں سے دیکھا جاوے۔ ہمارے اعمال نوع انسان سے کیا چاہتے ہیں؟ منصفانہ ریویو۔ نوع انسان کی طرف سے ہمیں کیا ملنا چاہیئے؟ تحسین یا نفرین۔ تحسین اور نفرین کا کیا اثر ہے؟ تحسین ہمارے ارادوں کو بڑھاتی اور ہماری ہمت میں قوت بخشتی ہے۔ اور اس سے دوسروں کو بھی اچھے کاموں کی ترغیب ہوتی ہے۔ نفرین ہمیں برائیوں اور کم ہمتیوں سے باز رکھتی ہے اور اوروں کو عبرت دلاتی ہے۔

اگر ایک انجمن یا ایک اخبار یا ایک رسالہ قوم کی خدمت کر رہا ہے۔ تو وہ اُس صورت میں ترقی پاسکتا ہے کہ جب پبلک اُس کی خدمات کا ریویو کرتے ہوئے اُس کی تحسین اور ہمت افزائی کا باعث ہو۔ جو شخص اچھا کام کرتا ہے جو جماعت اچھی خدمات پیش کر رہی ہے ضرور ہے کہ اُس کی داد دی جاوے۔ جو شخص اپنی خدمات کی داد چاہتا اور اپنی قدر افزائی کا آرزومند ہے وہ ایک طبعی خواہش کا خواہشمند ہے۔

ہماری ترقی اور ہماری تنزل صرف تحسین اور نفرین کے دو الفاظ کے فہمی فلسفہ پر مبنی ہے۔

بُزدلی

کہا جاتا ہے کہ فلاں بڑا بزدل ہے یا میں کچھ بزدل تو نہیں ہوں [illegible] کہ میں بزدل بنا ہوں۔ یہ ایک ترکیبی جملہ ہے۔ بز فارسی میں بکری کو کہتے ہیں اور یہ خیال کیا گیا ہے کہ (بز) مقابلہ اور چارپاؤں کے ڈرپوک، نامرد اور ناتواں ہوتی ہے۔

بات جو اس حد و فاصلے کے وہ ایک کمزور [illegible] خوف سے ڈر جاتی ہے بھیڑیا یا کسی درندہ کو دیکھتے ہی لرزنے لگتی ہے اور اس میں ہمت نہیں رہتی مجازاً انسانوں کی طبیعتوں پر بزدلی کا اطلاق کیا۔ جو لوگ ڈرپوک یا نامرد طبیعت کے ہوتے ہیں اُن کو بزدل کہا جاتا ہے۔ اب یہ محاورہ اکثر مواقع

میں اطلاق پاتا ہے صرف کتابوں ہی میں اسکو استعمال نہیں کیا جاتا بلکہ روزمرہ اور عام بول چال میں بھی بولا جاتا ہے۔

بزدلی کو صرف بہادری و دلیری کے معانی میں ہی استعمال کرنا ایک محدود دائرہ میں چلانا ہے مگر جس طرح سے اعلیٰ بہادر یہ نہیں ہے کہ وہ شیر کو پچھاڑ دیا یا آگے بڑھ کر دشمن کو مار دیا بلکہ اس وجہ سے کہ اس میں بُردباری و تحمل ہے۔ اور استقامت کا مادہ بھی نہیں ہے اس لئے کسی شخص کو بزدل کہا جاوے گا تو صرف یہی مراد ہوگی کہ وہ لڑائی کے مقابلہ میں ٹھہرا نہیں بلکہ یہ بھی کہ وہ استقلال و استقامت سے خالی ہے اور اسمیں تحمل و بُردباری کا مادہ نہیں ہے کسی کی تعریف یا اچھائی سُن کر جل بھن جانا کسی کے اقبال و عزت کو دیکھ کر کُڑھنا اور کسی کے احترام کو حسد کی نگاہ سے دیکھنا ایک بزدلی ہے اور یہ بزدلانہ حملہ

جس عمل میں ہو جہاں بے صبری کم ہمتی یا بُردباری پائی جاوے وہ ایک بزدلی ہے جیسے بکری بہت ہی جلدی گر پڑتی اور مایوس ہو جاتی ہے اور تھوڑے سے خوف کے بعد ڈرنے لگتی ہے ایسے ہی وہ شخص کہ جو معمولی باتوں سے ڈرتا اور بات بات میں گھبراتا ہوتا اور بیہم ہو جاتا ہے ایک بزدلانہ حرکت کا مرتکب ہوتا ہے۔ اسمیں نہ تو جوہر استقامت ہے اور نہ مادہ استقلال و مادہ مزاج ہے تھوڑی سی مدت معاملہ اور گرمی سے ہو کر پارہ پارہ ہو کر اڑ جاتا ہے۔

جو لوگ دشمنوں کے مقابلہ میں پورے اترے اور بے کس پر حملہ آور ہوتے ہیں یا جو بڑے بڑے معرکوں اور خونخوار جنگوں میں فتوحات حاصل کرتے اور دشمنوں کے سامنے ڈٹ کر کھڑے رہتے ہیں ایسے لوگوں کا ادنیٰ ادنیٰ باتوں پر الجھنا اور جھلّا اٹھنا اور ہو جانا سخت درجہ کا بزدلانہ ہے وہ بکری سے بھی گئے گذرے ہیں غریب بکری تو ذبح ہوتے ہوئے کچھ حوصلہ بھی کرتی ہے۔ ان میں اسقدر بھی تحمل اور بُردباری نہیں ہے۔

تلوار سے کسی کا سر کاٹ دینا اس سے زیادہ تر آسان ہے کہ کسی شخص کو خنجر احسان اور مروت سے ذبح کیا جاوے بندوق سے کسی کی جان لے لینا اس سے سہل ہے کہ تحمل اور بُردباری کی گولی سے کسی کی جان لی جاوے توپ کے گولوں سے کسی قلعہ کو فتح کر لینا بالمقابلہ اس بہادری کے جو نرمی اور خلوص سے اقلیم قلوب کو فتح اور مسخر کرنا ہے زیادہ قابل تعریف اور تحسین کے مستحق نہیں ہو سکتا تلوار کے ڈر سے اور بندوق کے خوف کی صرف تلوار کے ہوتے تک ہی فتح یا بادشاہت ہے۔ لیکن جو لوگ سنگین جان سے دلوں کو جیتتے اور انکو موم کرتے اور معدن قلوب میں بس جاتے ہیں انکی بادشاہت اور جنکو ہمیشہ دلوں تک ہستی پر ہوتا انکو کسی عظیم کا خطرہ ہے اور نہ کسی ہم کا خوف بہادری یہ نہیں کہ دو چار کو مار دیا اور دس بیس کو لہو لہان کر دیا بہادری یہ ہے کہ باوجود زور آور ہونے کے درگذر کیا جائے اور رحم دلی دکھائی جاوے۔

بزدلی یہ صرف نہیں کہ کسی جنگ یا لڑائی سے منہ موڑ لیا بلکہ یہ کہ نیکیوں اور بے کسوں پر وار کرکے تحمل و بُردباری کو ہاتھ سے دے دیا سچی بہادری وہی ہے کہ جس میں صبر اور تحمل ہو۔ باقی سب نمائش ہے۔ بُردباری اور تحمل کی خو پیدا کرو۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

اکثر نکتہ چینیوں اور اعتراضات کا موجب ہماری غلط فہمیاں ہی ہوتی ہیں۔ اور بعض
اوقات ہم صرف اس واسطے کہ جلدی کرتے ہیں کہ تامل کئے بغیر کسی تحریر یا قول سے معانی رد و
مفہوم کو محض اپنے منشا کے مطابق تبدیل کیا جاتا ہے۔ دیگر ہر ایک قسم کے قرائن کو چھوڑ
دیتے ہیں۔ ان خطرناک طریقوں سے بہت نکتہ چینیوں اور بیجا اعتراضات کی بنیاد قائم ہوتی ہے

بعض اوقات صرف اس خیال سے ایک حقیقت الامر یا ایک سچی فلاسفی سے
اس واسطے بھی انکار کیا جاتا ہے کہ وہ ایک دوسری قوم کے مذہب سے لی گئی ہے
ہر ایک حقیقت الامر خواہ اس کا مورث کوئی ہو لہذا ایک حقیقت الامر ہونے کے
ہر حالت میں تصدیق اور تسلیم کے قابل ہے

بعض وقت یہ بھی غلطی لگ جاتی ہے کہ جو ضروریات ایک قوم کو تمدن اور
اخلاق کے متعلق آتی ہیں ان پر دوسری قوموں یا مابعد کے لوگوں اور زمانوں کو کوئی
رائے زنی کا موقعہ نہیں ملتا اور جلد بازی سے بعض حقائق کو پایہ صداقت سے
گرا دیا جاتا ہے۔

فقرہ مندرجہ عنوان یا وہ فلسفی جو اس فقرہ سے استدلال ہو سکتی ہے ایسا
ایسا فقرہ یا ایک ایسی فلاسفی ہے کہ ایشیائی ملکوں کے مصنفوں اور سیاسی عالموں نے اکثر
جگہ اس کا استعمال کیا ہے۔ عالموں نے نظم میں ادا کیا ہے اور عاملوں نے عمل میں لیا

حضرت مرحوم شیخ سعدی شیرازی نے بھی اپنی پاکیزہ اور مقبول تصنیفات
اور تالیفات میں اس فقرہ سے کام لیا ہے۔ یہاں تک کہ اکثر لوگوں نے شیخ کو ہی
اس فقرہ کا مدون کیا ہے اور شیخ پر ہی تمام اعتراضات اور نکتہ چینیوں کو جمایا ہے۔
شیخ کی جن جن تصنیفات میں یہ فقرہ آیا ہے ان کی نسبت یہ قیاس کیا گیا ہے
کہ وہ اپنے اس جزو کے خیال سے اخلاقی کتب خانوں میں رکھے جانے کے قابل نہیں
ہیں جس طرح مرحوم شیخ کے ناقدر یا رٹ نے گلستاں جیسی مقبول کتاب کو بعض

ایک عمدہ پیرایہ میں یہ تعلیم دی ہے کہ جو کہ آتی یا حسن رائی کا بالفعل استعمال ایک فساد
اور شر کا موجب ہے یا اُس سے معاملات دنیا میں ایک تہلکہ عظیم کی بنیاد پڑتی ہے یا
جو قوموں کو قوموں سے اور برادری کو برادری سے جدا کرنے میں ایک طلسم کا کام
دیتی ہے بہتر ہے کہ اُس سے

(الف) یا تو درپردہ رہ کر احتراز کیا جاوے ۔

(ب) اور یا اُس کا اظہار ایسے طور پر کیا جاوے کہ بجائے مفید ہونے کے نامفید ثابت ہو

ایک دوست نے دوسرے دوست کو غصہ یا اتفاقیہ جوش میں آکر بُرا بھلا کہا
یا اُس سے امر خلاف ظاہر کیا اُن دونوں دوستوں میں اس قسم کے تعلقات ہیں کہ اگر
اُن میں ذرا بھی تفرقہ پڑ جاوے تو اُن نقصانات کے ناشی ہونے کا اندیشہ ہے کہ
جو آخر پر ایک بڑی بھاری برائی کا باعث ثابت ہو سکتے ہیں ایسی حالت میں اگر
کوئی تیسرا شخص یا تیسرا دوست دریافت کرے یا بالطور خود ہی اُس قصہ کو بلا کسی
تاویل کے دوسرے دوست کو سنا دیوے اور ایسی گفتگو میں اس کے سامنے کسی اصلاح
کو مدنظر نہ رکھے تو اُس نے اُس سچائی کا جو کہ نتیجہ ہو گا اُس کو کون نہیں جانتا ۔

اور اگر یہ مدنظر ہو تو ایسا کیا جاوے کہ اُن واقعات کو سامنے نہ کیا جاوے
یا کسی دوسرے طرز مستمرہ پر ذکر کیا جاوے تو اُن دونوں میں بجائے فساد و رنج
کے صلح اور آشتی رہ سکتی ہے کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ اس طریق عمل سے صداقت کا
خون ہوتا ہے اور جھوٹ کی جڑھ پکی ہے ۔

یہ کہا جاویگا کہ اس صورت میں اکتتام شہادت لازم آتا ہے سو بے شک
اکتتام شہادت لازم آتا ہے مگر سچ کے مقولہ میں قوانین شہادت کی بحث نہیں کی
گئی بلکہ ایک عام اصول تمدن اور سیاست یا پولیٹیکل کے خیال سے جتلایا گیا ہے
بڑے بڑے مقرر اور لسان یوروپین اور نیٹو بیرسٹر ایٹ لا اور لائیر
کچہریوں اور عدالتوں میں جب طرفین کی جانب سے دھواں دھار تقریریں کرتے
اور سپیچیں دیتے ہیں تو کیا وہ الفاظ ملزم کو مدنظر رکھ کر ٹھیک ٹھیک یادداشت پر
دیتے ہیں اور کیا اُن میں فریقین کی جانب سے امور قانونی اور واقعاتی کی تاویلیں

کے طور پر مانا جاتا ہے۔ جو جنگ ہو رہی ہو اُس کے وقت جاتی کسی اور طرف ہیں اور مشہور شام شہرت کسی اور طرف کی جاتی ہے تاکہ دشمن اور عالم مغالطہ میں پڑ کر ناکامیاب رہے گیا ہم جو ہی حالت میں ایسے طریق عمل سے احتراز کر سکتے ہیں یا ہمیں ان کی ضرورت نہ ہوگی۔ سول والے کمروں میں بیٹھے بیٹھے اگرچہ کچھ ہی کہیں مگر جنگی عملہ تو اس کے خلاف نہیں کہہ سکتا دو می جیسے کہ عام طور پر ہی ملازمی سلسلوں میں ایسی ضروری مصلحتوں کو نظر انداز نہیں کیا جاتا کہ کوئی معتقد یا غیر معتقد ملازم کہہ سکتا ہے کہ وہ مصلحت کے خلاف عمل کرتا اور پھر بھی اس عمل میں کامیاب ہوتا ہے۔

اعتراض کرنے سے پہلے قائل کا مطلب اور موقعہ سمجھنے کی کوشش کرو اور پھر زباں کھولو۔

ڈیوٹی

کوئی انسان نہیں ہے کہ جس کے ذمہ بہت یا کسی نہ کسی قسم کی اور کوئی نہ کوئی ڈیوٹی یا فرض نہ ہو۔ یہ حد امانت ہے کہ لوگ اپنی اپنی ڈیوٹی یا فرض کو سمجھیں نہیں اور عرفی طور پر جب کسی انسان کے ذمہ کوئی کام یا کوئی خدمت لگائی جاوے تو کہا جاتا ہے کہ وہ اُس کی ڈیوٹی ہے۔

عام اس سے کہ ایسی ڈیوٹی یا ایسا فرض طبعی طور پر اُس کے ذمہ ہو یا اخلاقی طریق سے یا کسی اور طاقت کی جانب سے اُس کو ذمہ دار قرار دیا گیا ہو۔

ڈیوٹی کو مندرجہ ذیل اقسام پر تقسیم کیا جاتا ہے۔

(الف) طبعی۔

(ب) اخلاقی۔

(ج) تمدنی۔

(د) مذہبی۔

(ہ) سیاسی۔

(و) اضافی۔

ممکن ہے کہ ان قسموں کے سوائے اور اقسام بھی ہوں لیکن بالعموم یہی صورتیں پائی جاتی ہیں ۔

ہر ایک ڈیوٹی کو بمقابلہ دوسرے کے ایک صفت حاصل ہے یا یوں کہو کہ ہر ایک ڈیوٹی کو اپنی ذات سے بھی نسبت ہوتی ہے اور دوسری سے بھی ۔

لوگ اُن ڈیوٹیوں کو تو محسوس کرلیتے ہیں کہ جو اُن کے ذمہ پر حکماً لگائی گئی ہیں یا جنکو وہ خود ذاتی بوجہ اپنی ضروری العمل خیال کرتے ہیں لیکن جو فرائض اضافی طور پر ہر ایک انسان کے ذمہ لگائے گئے ہیں اُن سے لوگ عموماً ناآشنا ہیں اور نہیں جانتے کہ اُن کا پورا کرنا بھی اُن پر کیسا ضروری ہے۔ لوگوں کو یہ علم نہیں کہ اپنے متعلق اُن کی ڈیوٹیاں کیا کیا ہیں اخلاقی مقالوں میں یہ جو کہا گیا ہے

من عرف نفسہ فقد عرف ربہ ایک بڑی ڈیوٹی کی تشریح ہے۔ انسان کی یہ خاص ڈیوٹی ہے کہ وہ سب سے اول اپنے آپ کا مطالعہ کرے اور یہ جانے کہ وہ ہے کیا اور اُس کی کیفیت کیا ہے یہ وہ اعلیٰ ڈیوٹی ہے کہ اُس کے پورا کرنے سے انسان ایک سہولیت کے ساتھ اپنی ہر ایک ڈیوٹی اور فریضہ کی بخوبی شناخت کرسکتا ہے اور اُس میں ایک تمیزی طاقت پیدا ہو جاتی ہے ۔

ڈیوٹی کی بابت ایک غیر محسوس غلط فہمی کبھی کبھی راہ زن ہو جاتی ہے جس سے ایک عظیم مغالطہ اور اخلاقی نقص پیدا ہو جاتا ہے ۔

(الف) کسی کام کو **صرف** ڈیوٹی سمجھ کر کرنا ۔

(ب) کسی ڈیوٹی کو نہ صرف ڈیوٹی کے اعتبار سے کرنا بلکہ حقیقتاً کرنے کے قابل سمجھنا ۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ جو شخص ایک ڈیوٹی کو ڈیوٹی سمجھ کر بجا لاتا ہے وہ بھی ایک قابل تعریف کام کرتا ہے لیکن جو شخص فریضہ یا ڈیوٹی کے علاوہ کسی کام کو جو ڈیوٹی میں شامل ہے یا ڈیوٹی اُس کا باعث ہے حقیقت الامر کے خیال سے بجالاتا ہے وہ ایک اعلیٰ اصول کی پیروی کرتا ہے ۔

ایک محتسب یا کوتوال اگر اس خیال سے رعایا کی نگہبانی ایمانداری سے کرتا ہے کہ اُس کو یہ ڈیوٹی سپرد کی گئی ہے تو یہ اُس کی ایک خوبی ہے لیکن اگر وہ نگہبانی کی ڈیوٹی

کو ایمانداری سے پورا کرنا بحیثیت ایک ایماندار کے بھی اپنی ذات پر لازمی سمجھتا ہے
اور اُس کے خیال میں بحالت عدم ملازمت کے بھی ایمانداری سے لوگوں کے ساتھ ایسا
سلوک کرنا لازمی تھا تو یہ حالت اس شخص کی بہت ہی تعریف کے قابل ہے۔ جو شخص ایک
فریضہ کو محض ایک فریضہ کی حیثیت اور اعتبار سے پورا کرتا ہے وہ دراصل ایک فرض
ادا کرتا ہے لیکن جو شخص فرض اور عدم فرض کے خیال سے الگ ہو کر خالصتاً ایک نیک عمل
میں لاتا ہے اور اس میں کسی کا حکم یا معاوضہ اور خوف شامل نہیں ہوتا وہ ایک حقیقت
الامر کو پورا کر رہا ہے۔ یہ ایک عمیق راز ہے غور کرو اور اُس کی تہ تک پہنچو +

آپ نے کبھی غور اور فکر کی ہے کہ انسان کی ذات پر قدرت نے کیا کیا ڈیوٹیاں
لگا رکھی ہیں۔ کیا میں آپ کو مختصر طور پر ایسی لازمی ڈیوٹیوں اور فریضوں کی تفصیل بتلا
سکتا ہوں اگر آپ سننا چاہیں تو سنیں +

(الف) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ اپنے احترام اپنے اکرام اور اپنی عزت کا خود
محافظ ہو +

(ب) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ اپنی مدد آپ کرے +

(ج) انسان کی یہ اپنی ڈیوٹی ہے کہ جیسے وہ خود اوروں سے مروّت احسان ہمدردی
کا خواہاں اور طالب ہوتا ہے اوروں کے مقابلہ میں خود بھی ان کو پورا کرنے کی کوشش کرے

(د) انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ ہر ایک وقت میں اپنے درجہ اور اپنی حالت کا ملحوظ رکھے

(ہ) انسان کا یہ فرض ہے کہ وہ صداقت کو پیار کرے اور برائی سے نفرت

اسی طرح بعض ڈیوٹیاں۔ دوسری طاقتوں۔ حکومت کی جانب سے انسانوں
کے ذمہ بمت پر لگائی جاتی ہیں ان کا کچھ حصہ تو اضافی ہوتا ہے اور کچھ حصہ لازمی فرائض
میں سے بھی ہوتا ہے بعض قوانین کی پابندی کے ساتھ تبدیل پابندیاں بھی ہو جاتی
جب کسی حکومت یا گورنمنٹ کی جانب سے کسی شخص کو [illegible]
ہے تو ایسا شخص ایک تو حکومتی قوانین کی پابندی سے فرض [illegible]
کچھ اُس کا ضمیر اور نور ضمیر بھی اُس کو اطاعت حق پر مجبور کرتا ہے +

ایک شخص کسی دوسرے کے ساتھ کوئی معاہدہ کرتا ہے باعتبار معاہدہ اُس پر لازمی

[illegible]

دیتا۔ وہی جس پر معاہدہ مجبور کر رہا ہے۔ معاہدوں کی اور قوانین کی پابندی کی بنیاد در
اصل اُس وقت سے پڑی ہے کہ جب سے انسانوں نے حقیقت الامر سے انحراف شروع کیا
جو جج رشوت لیتا اور بلا احتیاط کی خاطر فیصلے دیتا ہے وہ اپنی ڈیوٹی۔ اپنے
ایمان اور اپنی عزت۔ اور اپنے حکومتی وقار کا خود اپنے ہی ہاتھ سے خون کرتا ہے وہ
اپنے آپ کو اُس بے عزتی اور اُس بے وقری کا مورد ثابت کر رہا ہے کہ جو سخت ذلت
اور سخت ندامت ہے۔ جج کی عزت اور وقر اسی میں ہے کہ وہ ججی کے اعتبار
اور وقر کو قایم رکھے ججی کا وقار اور عزت اُسی حالت میں ہے کہ جج ایمان داری
اور دیانت سے قضایا فیصل کرے ٭

مجسٹریٹ اور جج کی صرف اس لحاظ سے عزت اور وقر نہیں ہے کہ اُس کو قید
کرنے یا ڈگری دینے یا خارج کرنے کا اختیار حاصل ہے بلکہ صرف اسواسطے کہ اُس کو
اعتبار کی قسم دلائی گئی ہے اور اس سے عملی طور پر یہ اعتراف لیا گیا ہے کہ وہ اپنے
فرایض میں صادق اور ایمان دار ثابت ہوگا اگر اُس پر ایسا اعتبار نہ کیا جاتا تو اُس کو
ایسے اختیارات ہی نہ دیئے جاتے۔ اختیارات کے گزٹ ہونے سے لوگ خوش ہوتے
اور اتراتے ہیں پہلے کیوں خوش ہوئے ہو۔ اُس وقت خوش ہو اور اُس حالت میں
اتراؤ کہ جب ڈیوٹی پوری کرو۔ گزٹ اس واسطے نہیں ہوتا کہ انصاف اور رحم کو کھو
بیٹھو بلکہ اس واسطے کہ گزٹ ہونے کے بعد انصاف اور عدالت اور رحم مجسم ہونے
کی صادق نظیر قایم کر کے دکھاؤ کہ جو تمہارے اختیارات کے واسطے ایک عملی وقار اور
یقینی عزت ہو اور تم کو حکومت اور پبلک کے نزدیک صداقت اور لیاقت پڑھی کا
ڈپلوما بخشا جاوے ٭

جب تم چار پیسے لیکر عدالت اور انصاف کا منہ کالا کرنے کو تیار ہو جاؤ اور تمہارے
اختیارات کا مقیاس اور پیمانہ دولت حرام اور لالچ آٹھہرے تو پھر تمہارا اپنے
اختیارات پر ناز کرنا ایک بزدلانہ حرکت اور احمقانہ عمل ہے ٭
عدالت کا قلم تمہارے ہاتھ میں اسواسطے نہیں دیا گیا کہ تم اُس کے نوک سے

لوگوں کی گردنیں کاٹو اور تمام دنیا کو اپنے ناپاک خیالات سے گندہ بناؤ ۔

دوستی اور قرابت کے بھی واجبات ہیں اگر تم اُس کو بھی بوجہ احسن ادا نہیں کرتے ہو تو سخت جرم یا کسی غلطی کے مرتکب ہو اسی طرح پر ہر ایک ڈیوٹی کی بابت تمہیں ذمہ دار بنایا گیا ہے یاد رکھو! جب تک اُس سے تم کو سبکدوش نہ کیا جاوے تم اُس کے جواب دہ ہو ۔

نماز اور روزہ کا پورا کرنا یا دیگر مذہبی فریضوں کا دکھاوے کے طور پر کرتے جانا تمام دیگر ڈیوٹیوں سے انسان کو آزاد نہیں کر دیتا۔ ہر ایک ڈیوٹی ہم پر ایک قرضہ رکھتی ہے جب تک تم اُس کو پورا نہ کرو گے تم اُس کے مقروض ہو اگر تم کسی ڈیوٹی کو بے دلی۔ بے توجہی۔ لاپرواہی اور کم اندیشی سے پورا کرتے ہو اور یہ سمجھتے ہو کہ گلے پڑا ڈھول بجانا ہے تو واقعی تم اپنے ایمانی آداب میں دائمی گنہگار رہتے ہو

جس امنگ سے تمہیں ڈیوٹی دی گئی ہے اسی امنگ اور اُسی مستعدی اور جوشی سے تم بھی اُس کو پورا کرو مستعدی سے ڈیوٹی کو پورا کرنا اپنے خدا۔ اپنے دل اور اپنے حاکم یا آقا یا بزرگ کو خوش کرنا ہے اور وہ بھی دور کرتا ہے کہ جو ایسا کرنے میں عائد ہوا کرتی ہے ۔

جو قومیں۔ جو لوگ یا جو شخص ڈیوٹی کے پابند ہیں اور اُس کو سمجھ کر انجام دیتے ہیں وہ ہمیشہ زمانہ میں عزت پاتے ہیں اور اُن کے ساتھ ساتھ خدا کے رحم کا سایہ اور اقبال ہوتا ہے ۔

جب انسان اپنی ڈیوٹی اور اپنے ایمان کو خود ہی سمجھتا تھا اُس وقت۔ تو کسی قانون کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی سزا اور فیصلہ کی۔ انسان خود ہی گناہ کرتا تھا اور خود ہی اپنے آپ کو ملزم گردانتا تھا۔ خود ہی اُس سے ایک تقصیر سرزد ہوتی تھی اور خود ہی وہ اُس کا ندامت کے ساتھ معترف ہو جاتا تھا جب ایک انسان کا معاملہ دوسرے انسان کے ہاتھ میں آجاتا تھا وہ اُس وقت اُس کے فیصلہ اور سلجھانے کے واسطے اپنی کل خود غرضیاں اور ضدیں چھوڑ چھاڑ صحیح پہلو پر فیصلہ دیتا تھا۔ تو اُس وقت کسی قانون کے حوالہ کی ضرورت تھی اور نہ ہی کسی جج کے فیصلہ کی۔ سب قوانین اور سب ضوابط کا سید القانون اور چیف آف لا ایک ایمان اور کانشنس ہوتا تھا

جب انسانی گروہوں میں بے ایمانی اور خلط ملط معیشت کا حدوث ہونے لگا تو انسانی جماعتوں کے سرگروہوں نے لاچار ایسے قوانین اور ایسے ضوابط کی بنیاد رکھی کہ جن میں بہ پیرایہ دیگر انسان کو سکھایا گیا کہ ذاتی فرائض اور اصالی ڈیوٹیاں کیونکر ادا یا پوری کرنی چاہئیے اور ان کے طریق کیا کیا ہیں۔ از ماست کہ بر ماست اگر ہم ایسی سیاستوں اور بے ایمانیوں سے صحیح اعمال کو خراب نہ کرتے اور شکوک نہ لاتے تو ان بکھیڑوں اور دبدبوں میں پھنس کر اس حالت کو نہ پہنچتے۔ اب ہم پر ہر جہار طرف سے پابندیاں اور قیود وارد ہیں۔ اگر یہ پابندیاں اور یہ قیدیں نہ ہوں تو ہماری اس قدر بھی اصلاح نہ ہوتی۔

نیچر انسان کو سیدھے سادے طور پر ڈیوٹی کے طریقے سکھاتی اور فرائض کے اطوار بتاتی ہے۔ مگر انسان چونکہ ایک سیدھی بات کو بھی ہیر پھیر سے ماننے کا عادی ہو گیا ہے اس واسطے اس کو قانونی اور ضابطانہ پابندیوں سے جکڑا گیا ہے۔

دنیا میں اکثر فساد اور اکثر برائیاں جو پیدا ہوتی ہیں ان کا بڑا بھاری موجب ڈیوٹی کا نہ ادا کرنا یا نہ سمجھنا ہے یا وقت کو کھو دینا۔ یا ان کی تکمیل میں ذاتیات اور خود غرضیوں کو ملا دینا ہے۔

لوگوں کا یہ خیال کہ دنیا کی اکثر خرابیاں اور شر و فساد اور ادبار و نکبت محض قدرتی ہواؤں کا اثر ہے۔ کسی قدر غلط ہے۔ اکثر برائیاں اور قباحتیں ہمارے ہی ہاتھوں کی کمائی اور اپنا دھندا ہیں۔ ہم انکو خود پیدا کرتے اور وجود میں لاتے ہیں۔

پہلے اپنی ڈیوٹی کو سمجھو اور پھر اس کو پورا کرو۔ بہت سے لوگ یہ بھی نہیں جانتے کہ دراصل ان کی ڈیوٹی ہے کیا بعض لوگ جج اور مفتی یا قاضی ہیں ان کو یہ علم نہیں کہ ان کی ان عہدوں میں حقیقی ڈیوٹی کیا ہے۔ اور کس غرض سے ان مناصب جلیلہ پر مقرر کئے گئے ہیں اور حکومتوں اور پبلک کو ان سے کس بات کی آرزو ہے۔ اور ان کا وجود یا ایسا عہدہ کیونکر سود مند ہو سکتا ہے۔

جو لوگ یہاں تک اپنے فرائض سے ناواقف ہوں وہ اپنے اپنے مناصب کے حقائق اور فوائد کو عامہ خلائق پر کیونکر افشا اور اظہار کر سکتے ہیں۔ ان کے

وہ فرضی اغراض جو خود غرضیوں اور مدہوشیوں پر محمول ہیں۔
خوش قسمت ہے وہ انسان جو ایسی ڈیوٹی سمجھتا ہے ✦

رُعب

حس کیا اکثر اشخاص جن کی یہ خواہش اور یہ آرزو رہتی ہے کہ ہم اپنی سوسائٹی میں باعث سمجھیں جائیں اور ہمارا رُعب تسلیم کیا جاوے ایک درجہ میں یہی یہ آرزو ہمیں پائی جاتی ہر ایک فرد میں کم و بیش اس قسم کے خیالات دورہ کر رہے ہیں جن لوگوں کو خداوند کریم نے مقابلۃً اچھا سایا اور اختیار رکھتا ہے وہ بھی اس بات کے شیدا اور خواہش مند ہیں اور جن کی حالت معمولی ہے وہ بھی اسکو چاہتے اور اسکے متلاشی ہیں ✦

کثرت اشتیاق رُعب نے یہ بحث پیش کر رکھی ہے کہ کیا انسان کی یہ خواہش اور خواہشوں کی طرح طبعی تو نہیں ہے اگر رُعب کو امیار طبعی کی فلسفی میں محمول کیا جاوے تو یہ کہنا ہی پڑے گا کہ یہ خواہش بھی طبعی ہے اور جو لوگ اس کے گرویدہ ہیں اُن کا کوئی قصور نہیں ہے ✦

اس قدر تسلیم کرنے کے بعد ہم یہ دیکھنا چاہتے ہیں کہ رُعب کیا چیز ہے اور وہ کیونکر حاصل ہو سکتا ہے اور انسان کو اُس کے حاصل کرنے کی خواہش کس درجہ تک ہونی چاہئے اور کیا وہ طلب اختیار کی ایک شاخ ہے۔ اسوقت رُعب کے حاصل کرنے کی بابت انسانی جماعتوں میں مختلف طور پر جس قدر خیالات گشت کر رہے ہیں وہ مندرجہ ذیل صورتوں سے باہر نہیں ✦

قبل اس کے کہ ہم ان ملفوظات یا اقوال کو معرض بیان میں لائیں۔ ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ ہر ایک انسان طبعاً اس بات کا خواستگار ضرور ہے کہ انکو اپنی سوسائٹی یا غیروں میں ایک اختیار حاصل ہو وہ کسی نہ کسی صورت میں ممتاز سمجھا جاوے ✦

ما رُعب کی خواہش ہی قریباً ایک قسم کی اختیار طلبی سی ہے اس اعتبار سے کہا جاویگا کہ دراصل رُعب کی آرزو ایک اختیار چاہنا اور ممتاز رہنے کی خواہش کرنا ہے اور ان معنوں میں جو لوگ رُعب کے خواہشمند ہیں وہ کوئی بُری آرزو نہیں رکھتے بلکہ

ایک حاجت اس کو پورا کر لیتے ہیں۔

رعب کے لفظی معنی خوف کے ہیں۔ اور اصطلاح میں ایسے دبدبہ اور شوکت سے مراد ہے کہ جو کسی دوسرے پر وجودی وسائل سے موثر ہو۔

اس حالت موثرہ کی یاد بلیں جسقدر صورتوں میں کی جا سکتی ہیں وہ یہ ہیں:

(الف) حکومت موجب رعب ہے۔
(ب) بعض وقت دوست بھی موجب رعب ہو جاتے ہیں۔
(ج) زور بازو اور قوت خداداد رعب پیدا کرتی ہے۔
(د) شکل وشباہت اور حسن باعث رعب ہے۔
(ہ) علم وفن سے بھی رعب پیدا ہوتا ہے۔
(و) دینی طبیعت سے بھی رعب بن جاتا ہے۔
(ز) اعمال زہد وورع اور اتقا بھی موجب رعب ہے۔
(ح) ترک علائق بھی رعب کی علامت ہے۔
(ط) بعض وقت جہالت بھی رعب کا باعث ہوتی ہے۔
(ی) لاعوضی اور آزادی بھی رعب دار سائی ہے۔
(ک) ان سب موجبات بالا کا مجموعی اثر بھی موجب رعب ہے۔

جو لوگ دنیا میں اپنی اپنی جماعتوں کے اندر بارعب رہتے ہیں۔ وہ ان گیارہ صورتوں بالا سے کسی نہ کسی میں داخل ہونگے۔ کسی کو کسی جہت سے رعب حاصل ہوگا۔ اور کسی کو کسی جہت سے۔ بعض ایسے اشخاص بھی نکلیں گے کہ جو مذکورہ بالا تمام جہتوں سے بارعب ہیں۔ اور بعض میں صرف ایک ہی قسم کا زور اور اثر ہے۔

ہم نے رعب کی جو مفہوم اور تعریف کی ہے۔ اس کی خواہش اگرچہ ہر انسان کے دل میں نہیں تو اکثروں کے دلوں میں تو ضرور ہی موجود ہے اور بعض اوقات فرضی یا اخلاقی طور پر بھی ایسی حالت کے پیدا کرنے کی لازمی طور پر ضرورت پڑتی ہے اگر فرضی طور پر ایسی خاص حالت پیدا نہ کی جاوے تو امور مہمات یا ترتیب میں ایک خرابی در آنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔ اس ضرورت کے لحاظ سے

(د) بے لاگ صداقت۔

(ہ) کامل ہمدردی

(و) صادق دلسوزی۔

(ز) بے عیب کمال۔

(ح) لازوال استقلال

(ط) اٹل بردباری۔

(ی) انصاف۔

کی صفات عالیہ سے متصف ہیں۔ ایسے لوگ خواہ کسی حالت میں ہوں اور دنیاوی حیثیت کے اعتبار سے خواہ ان کی کوئی بھی پوزیشن ہو جماعت ہو یا نہیں ملک و قوم میں شروع سے آخر تک بارعب مانے جاتے ہیں لوگ ان کا ادب کرتے ہیں اور دل سے ان کو واجب الاحترام اور واجب الاعزاز سمجھتے ہیں حیات و ممات دونوں میں ان کو یکساں رعب اور احترام حاصل ہے اگر وہ کوئی سیاسی یا تمدنی تعلق رکھتے ہیں تو یہ حالت ان کو اس سلسلہ میں بھی ممد ثابت کر کے ترقی دیتی ہے۔

جو لوگ صرف انسانی ہوس ناکیوں سے خود کو بارعب ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں وہ ایک مختصر دور سے زیادہ اپنی اس حالت کو قائم نہیں رکھ سکتے اور یہی دور اندیش انسانوں کی نظروں میں ایسی حالت میں ناکام ثابت ہوتے ہیں۔

حقیقی صفات اور صادق وسائل سے رعب اور احترام حاصل کرنے کی کوشش کرو ڈنڈے اور انسانی اسباب سے ظاہری اعضاء سر تسلیم خم کرتے ہیں لیکن دلوں پر اس کا شعور کے اور کچھ اثر نہیں ہوتا ہے بات تو یہ ہے کہ دل و جگر ہو دل دل جوش کرے دل دل کو سامنے دل دل کے حضور جھکے۔

دل دل پر موثر ہو دل دل سے ڈرے دلوں پر حکومت کرو اور دلوں پر رعب ڈالو

تحکم اور رعب محض ڈرانے کا نام نہیں بلکہ وقار احترام۔ اعتماد۔ اثر پیدا کرنے کا نام ہے ہمیں معلوم ہے کہ خصوصیتیں کیونکر اور کس عمل سے انسان کو حاصل

ہو سکتی ہیں۔
انہیں باتوں اور انہیں صفات سے کہ جن کا بیان نہیں اوپر کی سطروں میں نمبروار بیان دیا ہے سوچو اور سمجھو۔

ایاز حد خود بشناس

یہ ایک پورانا اور صدیوں کا مقولہ ہے۔ نکلا تو ایک ہی کے منہ سے تھا۔ اور شاید اس کی اطلاقی سٹری بہت ہی معمولی ہو۔ اور جب اسکا اطلاق کیا گیا ہو تو قائل کی غرض صرف ایاز کی نصیحت یا سننے سے ہی ہو۔ لیکن اب تو یہ فقرہ السنہ زبان زد ہوا ہے کہ منہوں سے نکل کر زبان قلم کے ذریعہ سے جسد کتابوں میں بھی حلول کر گیا ہے۔

مطلب اس فقرہ کا ادراک مشکل نہیں ہے۔ یہی مطلب ہے کہ جس کی اخلاقی کتابوں میں بار بار تاکید کی گئی ہے۔ اور واقعی جسکی انسان کو بہت ہی ضرورت ہے اور جس کے بغیر انسان ہمیشہ ہی ایک غیر محفوظ حالت میں رہتا ہے۔ ایک پورا اصول ہاتھ آگیا اگر اس پر عملدرآمد ہو تو انسان کو بہت سی کامیابی حاصل ہو سکتی ہے۔

یہ فقرہ ایک فلاسفی کی بنیاد ہے۔ ہر ایک شے یا ہر ایک طاقت اور وجود کی ایک حد اور ایک مقدار ہے۔ جب ایک وہ طاقت یا وہ وجود یا وہ شے اپنی حد اس میں رہے تو اس کی ہستی قائم رہتی ہے یا اس میں کوئی نقص نہیں آتا ہے لیکن اگر حد سے قدم بڑھے تو یا تو ہستی ہی اٹھ جاتی ہے اور یا اس میں مہلک نقص عائد ہونے لگتے ہیں۔

مصری کی ایک حد اور ایک طاقت ہے۔ اگر اس حد میں مصری سے کام لیا جاوے تو اس کی شیرینی یا حلاوت سود مند ہو سکتی ہے لیکن اگر مصری کی حد کو توڑ دیا جاوے یا اس سے بڑھ کر کام لیا جاوے تو وہ طاقت نہ رہے گی۔ اگر تھوڑی مصری میں انبار پانی ڈال کر شربت بنایا جاوے تو مصری کی خصوصیت حلاوت بالکل معدوم ہو جاویگی۔ مصری ایک طاقت ہے۔ لیکن اس حالت میں کہ جب اُس سے بلحاظ اسکی طاقت

سکے کام لیا جاوے +

حد اور درجہ انسان کا ایک ورثہ ہے کہ جو دونوں پلوں کو برابر رکھتا ہے +

ہر ایک انسان کی ایک حد اور ایک درجہ ہے جب تک وہ حد یا وہ درجہ قائم یا استوار رہتا ہے تب تک انسان کی زندگی سلیم طریق سے بسر ہوتی ہے اور جب حد ٹوٹ جاتی ہے تو مخمصہ، نقصانات اور ناکامیوں کا سامنا ہو جاتا ہے +

جو شخص اپنی حد اور اپنا درجہ نہیں پہچانتا وہ اپنی عزت اپنے ہاتھ سے بے دام فروخت کرتا ہے اور لوگوں کو احتیاط دیتا ہے کہ اُسے جس طرح چاہیں استعمال کریں۔ جو شخص اپنی حد سے باہر ہو جاتا ہے وہ دراصل لوگوں کو دعوت دیتا ہے کہ اُسے حدود عزت سے خارج کریں۔

جس طرح اگر کسی قانون میں بتلایا گیا ہے کہ ایک تھرڈ کلاس کا مجسٹریٹ سیکنڈ کلاس کے اختیارات استعمال میں لائیگا۔ تو وہ تمام اختیارات کالعدم ثابت ہونگے۔ اسی طرح قدرت نے بھی تنبیہ کی ہے کہ اگر کوئی کسی اپنی حد سے زیادہ کام لے گی اور حد توڑ دیگی تو اس کے اختیارات بھی کالعدم ہو جاوینگے۔

جو شخص ایک آنکھ سے دونوں آنکھ کا کام لیتا اور اسے آپ کو ہر دو آنکھوں کی طرح سلیم البصر جانتا اور ایک چشمی کے عیب کو مٹانا چاہتا ہے وہ اس ایک آنکھ کی روشنی اور بصارت کو بھی کم کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

ایک غلام اگر آقائے نعمت کے نقش قدم پر چلکر آقائے نعمت کے حقوق کا وارث بنتا ہے تو بعض اوقات وہ اسے آقا کی نعمت کو خود غصب کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ وہ بدنام ہوگا اور آخر رسوائی سے نکال دیا جاویگا۔

جو لوگ اپنی حد اپنے درجہ اور اپنی طاقت کو وزن کرتے اور قائم رکھتے ہیں وہ ترقی کے درجوں پر چڑھنے کی سعی کرتے ہیں اور وہ بتدریج فائز المرام بھی ہو جاتے ہیں

بعض لوگوں نے خیال کیا ہے کہ اپنی حد اور اپنے درجہ کو گھٹا کر رکھنا بھی ایک عمدہ طریق عمل ہے۔ ہماری رائے میں یہ ایک صوفیانہ خیال ہے جس کیواسطے تمام افراد ہی موزوں نہیں ہیں۔ صوفیائے کرام کی منزل دور ہے۔ وہاں کی دنیا

(د) پالیسی دشمن دار ان کے واسطے حد سے بڑھنا اور باہر قدم رکھنا باعث نقصان
ہے لیکن بیچ میں سے گزرنا اکثر باعث کامیابی ہے۔ تمدنی اور سیاسی امور دنیا کے
کے لئے حدود اور ملک کا قائم رکھنا نہایت لازمی اور ضروری ہے۔ اگر ایک حاکم نہایت
بے بس اور ڈرپوک یا نہایت ہی سخت طبیعت اور انکسار کے خلاف ہے تو اُس کی حکومت
اور سیاست کا کیا حال ہوگا۔ ایک بادشاہ اور ایک گورنر اپنے ماتحتوں
اور نوکروں سے اس بارے گفتگو ہو جائے کہ سیاست اور افسریت کا
کوئی خیال ہی نہ رہے۔ تو اُس کی حکومت کس طرح چلے گی اور اُس کا
رعب داب کیا ہوگا ✦

مبارک ہیں وہ لوگ جو اپنی حد پہچانتے اور اپنا حد دیکھتے ہیں مبارک ہیں
وہ لوگ جو افراط اور تفریط سے محفوظ رہتے اور وہی عمل کرتے ہیں جو مناسب
ہے۔ ہماری ترقی اور ہمارے اعمال کے اعتبار سے صرف دو باتوں پر موقوف ہے
(الف) مقررہ اپنی حد کو پہچان کر عمل کریں۔
(ب) افراط اور تفریط سے پرہیز رہے۔

دوستو اُسی قدر اپنا پاؤں پھیلاؤ جس قدر دامن ہے اُسی قدر کہو کہ جس قدر کر سکتے ہو۔
حد کو توڑنا ہی زوال اور بدی کا ایک سخت جرم ہے والوں کی کا ہلا پہچانو
اپنا حد پہچانو

"وفائے عہد"

عہد کرنا یا وعدہ دینا برا نہیں ہے کیونکہ اُس کی ضرورت ہے لیکن عہد کر کے اُس
کا پورا نہ کرنا اور وعدہ کو ٹال دینا ایک اخلاقی کمزوری اور بزدلی ہے
وہی عہد کرو اور وہی وعدہ کرو جسکو تم پورا کر سکتے ہو وہی بات کہو کہ جو تمہارے
حیطہ قدرت میں ہے ایک انسان دوسرے انسان کو اپنے ہوائی وعدوں اور عہدوں سے
خوش تو کر سکتا ہے اور ان کے دلوں پر اپنا سکہ بٹھا سکتا ہے لیکن کیا اُسے اس
ناانصافی اور گندی رسم کو دور کر لینا ہے کہ جو بدعہدی کی صورت میں پیدا ہوتی ہے

ایک وقفہ (آرامی) یا عارضی عائد ہو کر اُس پہلی طاقت کو ایک وقفہ خاص کیلئے فرصت اور مُہلت دیدیا ہے۔

سورج نکلتا ہے اور دن ہوجاتا ہے۔ دن بھر سورج کی طاقت اپنے تصرفات اور کام لگاتار مصروف رہتی ہے۔ شام ہونے کے ساتھ ہی آسمانی طاقت لگاتار رفتار چھوڑ بیٹھتی ہے۔ اور بجائے اسکے قمری دَوْر آجاتا ہے۔ قمری دَوْر کے بعد پھر آسمانی حکومت ہوجاتی ہے۔ موسموں کی تبدیلی بھی ایک قدرتی وقفہ سے ہوتی رہتی ہے۔ ہوائیں بھی قدرتی وقفوں کی پابندی سے چلتی ہیں۔ فصلوں اور پیداوار میں بھی قدرتی وقفے ہوا کرتے ہیں۔ سلسلہ موت اور [illegible] اور زندگی کی بھی ایک وقفہ ہے جاندار پیدا ہونے کے بعد مرجاتے ہیں۔ ضابطہ وقفہ کے موافق ضروری ہے کہ موت کے بعد پھر حیات کا سلسلہ بند ہے اور قانون قدرت کی پابندی کے دائرہ میں آجاوے۔

سوچنا چاہیئے کہ قدرت نے یہ وقفہ کیوں رکھا ہے اور ایک حرکت کے بعد وہ کیوں ہوجاتا ہے۔ یہ ایک باریک نکتہ ہے اور اُسکے جواب بہت [illegible] ہوسکتے ہیں۔ اس مضمون میں ہم صرف کہنا چاہتے ہیں کہ بالا وقفہ انسانی سودمندی کےلئے ایک بہت سودمند اور مکمل ضابطہ ہے اور اگر ہم غور کریں تو بالکل کہ اس کی ضرورت ہے۔ اس معمولی بات میں ہم وقفہ کے قانون کو قانون مُہلت کے نام سے شروع کرکے نتیجہ نکالنے کی کوشش کرینگے۔

ہم کہتے ہیں کہ قدرت کے قانون مُہلت اسواسطے مقرر کیا ہے کہ اُس کے ذریعہ سے انسان آسائش اور آرام کی حالت میں ہر کہ غیر معمولی فائدہ اُٹھاوے اور وہ راحت حاصل کرے کہ جو اُن قاعدہ کی پابندی کے سوائے مشکل الحصول ہے۔

(۱) کام کاج کرنے کواسطے دن ہے اور رات آرام کے لئے تیاری اسواسطے ہے کہ انسان اور دیگر جاندار اپنی زندگی اور اپنی آسائش کے محتاج ہیں لیکن نیند اسواسطے ہے کہ جو وقت بیداری میں اُٹھانی گئی ہے اسکا تدارک ہوسکے۔

(۲) اُٹھنا اس غرض سے ہے کہ بیٹھنے کے بعد اُٹھنے اور بیٹھنے کی ضرورت اور فائدہ کا علم ہوسکے

اگر ان امور میں وقفہ نہ ہوتا تو اُن کی ضرورت اور سودمندی پر کوئی عملی دلیل
بھی قائم نہ ہو سکتی اور انسان ایک راحت کے لئے تحمل تکلیف مزید کے قابل نہ ہو سکتا
یہ وقفہ یا یہ مہلت کیوں دی گئی ہے اور کیوں دکھائی ہے تاکہ انسان یہ تمیز
کر سکے کہ لگاتار محنت یا شغل اور وقفہ کی مابعد کی حالت میں عملاً کیا فرق ہے اور
اگر یہ امر وقفہ یا مہلت ہی اختیار کی جاوے تو اس میں کیا لطف ہے۔

لازمی بات ہے کہ ہم دونوں وقفہ کی پابندی سے طبعاً ایک لگاتار محنت یا
شروع کے بعد ایک وقفہ یا ایک مہلت چاہتے ہیں ہم بڑے شوق سے ایک دلچسپ
کام شروع کرتے ہیں اور شروع کے ساتھ ہی ہماری طبیعت میں خیال
بھی پیدا ہو جاتا ہے کہ اس سے کبھی لازمی یا عارضی فرصت اور مہلت بھی ہونی
چاہئے۔ طالب علم۔ اہلکار۔ مزدور۔ پیشہ ور۔ دفتر اور کارخانہ میں سمجھے
جاتے ہیں لیکن مہلت یا رخصت کا خیال پہلے کر لیتا ہے طبیعت اور دل خود بخود سوال
اٹھاتا ہے کہ کیا اس کام اور اس محنت میں رخصت اور مہلت نہیں ہو سکتی۔ اگر ایک
رخصت بھی ہاری جاوے تو دل اداس ہو جاتا ہے۔ کیوں ہے صرف اسواسطے
کہ انسان طبعاً ایک کام کے سر ہو رہا ہے پھر بعد تھوڑا ... کا عادی اور خواہاں ہے
اور اسکا تو ضمیر بتا دیتا ہے کہ قدرتی قانون وقفہ کی پابندی سے اُسے
کسی وقفہ کی ضرورت ہے۔ جو لوگ اور جو کارکن اور مجلسی والوں وقفہ کے مطابق وقفہ
نہیں چاہتے وہ سخت غیر محتاط اور غیر معقول ہیں۔ وہ اپنی طبیعت اور اپنے دل اور
دماغ پر وہ بار رکھتے ہیں کہ جو قدرت نے کبھی رکھنا منظور نہیں کیا۔ کیا ایک لڑکا ایک
طالب علم ایک کارکن ایک مزدوری پیشہ لگاتار بلا وقفہ کام اور محنت کیا جاوے
تو کیا وہ دنیا میں سہولت سے زندہ رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ قدرت نے جگا دینے
کے بعد نیند کیوں پیچھے لگا دی ہے۔ اور نیند کے بعد جگانے کو کیوں جگا دیا ہے
صرف اسواسطے کہ ان وقفوں سے انسان کی زندگی آسانی سے بسر ہو سکے۔

ایک وقفہ یا ایک مہلت میں انسان شغل اور فرصت کی سودمندی اور ناسودمندی
پھر بھی غور کر لیتا ہے۔ اور اُس کو دونوں عملوں سے سبق لگ جاتا ہے کہ بلحاظ

سود سدی اور نا سود سدی کے ان دونوں صورتوں میں فرق کا ہے
جب ایک طالب علم کو رسیس ملتی ہیں تو وہ سوچ لیتا ہے کہ ایک محنت کے بعد
تھوڑی سی آسائش بھی کیسی مرغوب اور قیمتی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی کہ اگر رخصتوں
میں طبیعت کو سب اسے آسائش سامانوں کے بالکل آزاد دہی سادیا جائے تو
کی کرائی محنت پر کیسا بُرا اثر پڑتا ہے
ایک مزدور جب کام چھوڑ کر مُہلت حاصل کرتا ہے تو اُس کا دل اور دماغ
کیسا صاف اور بشاش ہوتا ہے اور وہ جانتا ہے کہ ایک محنت کے بعد آرام کرنا
کیسی سچی خوشی ہے اور اُس کو پتہ لگ جاتا ہے کہ جو لوگ ساری عمر مہلت ہی میں
گزار دیتے اور کاہل ہی رہتے ہیں اُن کی عزیز زندگی کس سعوبت اور بس مدگی سے
گذرتی ہوگی
جو ناکارہ اور جو طالب علم اور جو مزدور ہمیشہ رخصتوں پر ہی رہتے وہ رخصت کا
مزہ اور لطف کیا بیان کر سکتا ہے اور اُس کو محنت کی قدر و منزلت کیا ہوسکی ہے
اور وہ کیا کہہ سکتا ہے کہ سچی خوشی اور سچی آسائش محنت اور کام سے حاصل ہو سکتی
ہے کہ یا شخص بیکاری اور کاہلی سے۔
کام کرنے والے انسان اور سوچنے والی طبیعتیں مہلت اور وقفہ سے آرام
حاصل کرنے کے بجائے کام اور محنت کی ضرورت کو عملی طریق سے ثابت کرتی ہیں
اور یہی اُنہیں مہلت اور وقفہ کی کام کے بعد کیسی ضرورت ہے۔ کام کرنے کے بعد
جو برائی ہے اور محنت کے بعد جو مزا اور لطف دیتی ہے وہ بے کاری
اور سستی کی صد میں عمر بھر نصیب نہیں ہوتی
قدرت انسان کو اچھائی اور برائی میں بھی ایک وقفہ دیتی ہے اور چاہتی
ہے کہ انسان مہلتوں اور وقفوں کے اندر انسان اپنی اصلیت اور حقیقت پر غور
کرے اور سوچے کہ اس زندگی میں اُس کو ضرورت کیا ہے دنیا میں زندگی کی
حالت میں اچھے کام کرے اور اخلاق رذیلہ سے مجتنب رہنا ایک محنت اور
ایک ماہ سے ہوش کے بعد جو زندگی میں ایک لازمی وقفہ ہے اچھے انسانوں

پیدا نہ ہو دیگا کہ دنیا ختم ہو اور ایک نیا عالم شروع ہو کے بعد کسی انسان اور زمانے
مل سکتی ہے۔ دنیا اور زندگی میں اپنے اخلاق اور عادات کو درست نہ رکھنا گویا مستقل طور
کاہل رہنا ہے۔ مرنے کے بعد ایسے انسانوں کو کبھی راحت حاصل نہیں ہو سکتی۔
یہاں جہالت ذلیل ہے اور دکھائی دیتی ہے۔ اُس جہالت میں نہ پانے اور نہ دور نہ
کرنے کی کوشش کرو کہ تم نے جہالت سے پہلے کیا کچھ کر رکھا ہے اور آیا یہ جہالت تمہیں آرام
دیتی ہے۔ اور تمہارے پاس ایسا ذخیرہ ہے کہ جو اس جہالت میں تمہارے کام آ سکے
جو اہلکار ملازمت میں دیانت داری سے [illegible] ادا نہیں کر لیتے۔ اور جو طالب علم
طالب علمی کی حالت میں پوری محنت نہیں کرتے۔ اور جو مزدور اپنی روز
کی مزدوری سے [illegible] نہیں بچا لیتے وہ رخصت اور چھٹی کے ایام میں
آرام سے نہیں رہتے۔ جہالت اور رخصت نہیں سکھاتی ہے کہ پہلی محنت اور
دلسوزی ہی رخصت میں کام آتی ہے اور اس کے سوائے رخصت اور جہالت بھی
ویسی ہو جاتی ہے۔ ایک طالب العلم نے کچھ محنت نہیں کی لیکن ۳ ماہ کی رخصت میں
لے لیں اور جہالت سمجھ کر آرام کیا۔ کالج میں حاضر ہونے پر اس کا حافظہ بالکل بگڑا
ہوا۔ اور اس کی یادداشت [illegible] جاتا رہا۔ امتحان میں [illegible] بہتری کی کوئی
صورت نہیں۔ واسطے اس کے کوئی سبیل نہیں کہ وہ محنت اور دماغ سوزی کو بار بار کرے
اور دوسری رخصتوں کے لئے بالکل تیار ہو جاوے۔
انسان کو زندگی کے بعد ایک لمبی رخصت ملنے والی ہے۔ اور ہمارا اعتقاد ہے
کہ وہ پھر دربار الٰہی میں حاضر ہوگا۔ کیا ہم نے ایسی رخصت کے لئے کوئی سامان
انتظام کیا ہے اور ہمارے معلومات کا ایسا کافی ذخیرہ ہے کہ اس جہالت یا اس
رخصت کے بعد بھی کام آ سکے۔ نا۔

خیال پختہ ہوا ہے بے سلیقگی کا کبھی
ہم اپنے گھر سے خدا کی آمد پہ نکلے

دیانت و امانت

میں کچھ خاص ضرورت نہیں سمجھتا کہ دیانت اور امانت کی خاص الفاظ میں تعریف کروں کیونکہ کون ہے کہ جسے اس کی تعریف معلوم نہ ہو۔ ہاں مجھے یہ بحث چھیڑنی چاہئے کہ دیانت اور امانت کی انسان کو ضرورت کہاں تک ہے اور انسانی جماعت نے اس ضرورت کو کہاں تک تسلیم کیا گیا ہے۔

گو ہر ایک ملک کا قانون معاشرت جدا جدا ہے اور قانون معاد میں بھی گو وہ فروعاً اختلاف اور تضاد ہے لیکن اصل اصول آداب تہذیب و مواد اخلاقیہ سب جگہ کا قریب قریب ایک ہی ہے۔ گویا اخلاقی ضروریات ہر ایک جگہ اور ہر ایک ملک میں بصورت صفات حمیدہ اور اغراض مخصوصہ تسلیم کی گئی ہیں۔

اخلاقی ضروریات میں اکثر ایسی ضرورتیں ہیں کہ جو مذہب اور اخلاق دونوں جہت سے ضروری الوجود ثابت ہوتی ہیں۔ اگر ایک ضرورت کی مذہب تائید کرتا ہے تو اخلاق سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے اور اگر اخلاق مصدق ہے تو مذہب بھی اس کا ساتھ دیتا ہے بعض دفعہ ان دونوں کا ایسا توافق ہوتا ہے کہ مجبوراً مذہب کو اخلاق اور اخلاق کو مذہب کہنا پڑتا ہے دیانت اور امانت کی ضرورت جیسی مذہب میں پائی گئی ہے ایسی ہی اخلاق اور تمدن میں بھی تسلیم کی گئی ہے اور اگر عمیق نگاہوں سے دیکھا جائے تو مذہب نے نہایت ہی عمدہ پیرایہ میں اس ضرورت اور اس صفت حسنہ کی تائید کی ہے اگر کوئی شخص محض اخلاق کی پابندی سے اس کو حاصل نہ کر سکے تو بصورت ایک مذہب کے پابند ہونے کے لازمی طور پر اس سے مستفید ہو سکتا بشرطیکہ محض عرفی طور پر اس مذہب کا پابند اور معترف نہ ہو

دوسرے الفاظ میں ہم یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذہب اور اخلاق سوائے چند خاص امور کے جوانب سے زیادہ تر مقرون ہیں انہیں باتوں اور [illegible] ضروریات کی انسان کو تعلیم دیتے ہیں کہ جو خود اس کے نو عمری میں جلوہ افگن [illegible] مذہب اور اخلاق نہیں سکھاتے ہیں۔

چوری نہ کرو

زنا نہ کرو

غیبت نہ کرو

بد دیانت نہ ہو

بدزبان نہ ہو۔ وغیرہ وغیرہ

ہم جب اپنے وجدان پر نظر کرتے ہیں تو یہ باتیں ہمارا وجدان اور نور ضمیر سکھاتا ہے۔ بات جدا ہے کہ کسی کا نور ضمیر بالکل ظلمت زدہ ہو گیا ہو ورنہ ہر نور ضمیر انسان کو سکھاتا ہے کہ برائی اور نیکی میں یہ فرق ہے اور اُس کو کس کی ضرورت ہے ہر ایک نیکی کا طرز استدلال جدا ہے ورنہ مذہب اخلاق حکمت اور نور ضمیر سب کے سب یکساں دلایل سے انسان کی تربیت کرتے ہیں۔ اور چونکہ مذہب کو خصوصیت سے فیضان الہی سے تعلق تھا۔ اسواسطے ان سب کے مقابلہ میں سہرا اُسکے سر رہا مذہبی پہلو سے نہیں بلکہ علمی اور اخلاقی پہلو سے ہم ایمان سے وہ طاقت مراد لیتے ہیں کہ جو ہر ایک انسان کو قدرت کی طرف سے دی گئی ہے اور اگر ہم سے پوچھا جائے کہ ایمان کی تعریف کیا ہے اور ایمان کسے کہتے ہیں تو ہم جواب میں کہینگے کہ ایمان ایک ایسی طاقت ہے کہ جو خدا کے خوف کے ساتھ نور ضمیر کے مطابق حقیقت الامر کے تحفظ سے کام کرتی ہے جو حقیقت الامر ہے اُس سے منافی نہیں ہوتی اور اُس کے خلاف نہیں کرتی۔ دُنیا میں ہر ایک انسان کو دوسرے انسان سے معاشرتی اور معادی امور میں ایک تعلق اور ایک نسبت ہے اور یہ نسبت انسان کی زندگی تک ہی نہیں رہتی بلکہ زندگی کے بعد بھی جاری اور ساری رہتی ہے۔ تمدنی ضروریات اور بشری حوائج اور معاشرتی اغراض و معادی کیفیات کے لحاظ سے کوئی انسان ایسا نہیں کہ جسے دوسرے انسان یا دوسری جماعت سے تعلق حاصل نہ ہو۔

ہر ایک انسان کا فرض اور ڈیوٹی ہے کہ ہر ایک واسطہ اور ہر ایک تعلق کو پوری ایمان داری اور دیانت سے پورا کرے ہر شخص ہر فرد اور ہر جماعت کو ایک دوسرے کے ساتھ حسب ذیل تعلقات اور نسبت ہوتی ہے

(الف) شخصی و ذاتی

(ب) جماعتی

(ج) تمدنی۔

(د) سیاسی

(ہ) قومی

(و) مذہبی

ہر انسان کا فرض ہے کہ ایسی ہر ایک نسبت کو جو اُسے حاصل ہو پوری ایمان داری اور دیانت کے ساتھ نبھائے۔ ہر نسبت میں ایک شخص یا ایک جماعت خواہ تمدنی ہو اور خواہ سیاسی دوسرے پر اعتبار کرتی ہے اور اس کے ہاتھ میں راستی اور انصاف کی ضمانت پر ایک کیس یا ایک معاملہ دیتی ہے جس کو اصلی معاملہ یا ایسا کیس سپرد کیا جاتا ہے اُس کا فرض ہے کہ جو اسباب اور موجبات اور واقعات اُس کے سامنے پیش ہوں اُن میں ایمان داری اور دیانت کے ساتھ تفریق اور تمیز کرے اور حقیقت الامر کے مطابق تجویز کرے۔ اس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف اسباب اور واقعات کے پیش آنے سے بعض اوقات حقیقت الامر پر روشنی نہیں پڑتی اور مغالطہ کی نوبت آ جاتی ہے لیکن معاملے کو ناقص سمجھ کر کر دینا دیانت داری کے خلاف نہیں ہے۔ دیانت داری کے خلاف وہی امور ہیں کہ جن میں جان بوجھ کر غلط واقعات کو شامل کر کے حسب مرضی نتیجہ نکالا گیا ہو

جو معاملہ اور جو کیس ہمارے سپرد کیا جاتا ہے خواہ وہ کسی ریاست کی جانب سے ہو اور خواہ کسی تمدنی جماعت یا دیگر ثالث کی طرف سے اُس کے انفصال کے کئی پہلو ہوتے ہیں اور ہر ایک پہلو کے ساتھ مختلف واقعات کا تعلق ہوتا ہے

ذاتی کشمکشیں اور ذاتی سود و [illegible] کے خیالات کا ہجوم مضبوط دلوں کو بھی ہلا دیتا ہے اور اس مرکز پر لے آتا ہے کہ اسی دُنیا سے ہم نے بھی ذاتی اغراض اور ذاتی حوائج کو رفع کرنا ہے۔ کون دیکھتا ہے اور کون محض لہر کی تہ تک پہنچ سکتا ہے اور کیسے اِن واقعات کی خبر ہو سکتی ہے۔ یہ ایک غلطی اور

کمزوری ہے۔ خدا اس سے پاک ہے اور وہ دانا بینا ہے اس سے کوئی بات بھی
چھپی نہیں۔ وہ جیسے کلیات پر قادر اور علیم ہے ایسے ہی جزئیات پر بھی قادر اور
علیم ہے جب ایک قادر مطلق طاقت دیکھتی اور محسوس کرتی ہے تو پھر یہ کہنا کہ
کون دیکھتا ہے ایک جرأت نہیں تو اور کیا ہے خدا کے سوا شے دل اور نور ضمیر
کیا نہیں دیکھتا ہے اور ہر دفعہ ایسی حرکت کے موقعہ پر دل کی گھڑی ٹک ٹک
سے یہ نہیں سمجھا دیتی کہ یہ حرکت ایمانداری اور تمدن کے خلاف ہے۔ کیا وہ
جوش غیرت جو ہر ایک انسان کے دل میں رکھا گیا ہے یہ شرمناک نوٹس نہیں
دیتا کہ ایسا کرنا ایک نہایت درجہ کی بزدلی اور حماقت ہے کیا اعتبار نہیں تھا تا نہ
مجھے اس ذمہ واری کے ساتھ شریک حال کیا گیا ہے۔ وہ اس امر کا مقتضی
نہیں کہ وہ ذاتی اغراض کی خاطر حقیقت الامر کو کھو دیا جائے۔ اگر ان سب
باتوں اور کششوں پر غور کی جاوے تو کوئی وجہ نہیں کہ انسان اس بزدلی اور
کمزوری سے محفوظ نہ رہ سکے مانا کہ انسان کو ضروریات نے تنگ کیا ہوا ہے
اور مانا کہ انسان کو بعض اوقات حوائج کے ہجوم سے تنگ آکر دق بھی ہو جاتا
ہے لیکن وہ استقامت اور وہ عزم بالجزم جو انسان کی عمدہ صفات کا
ایک اعلیٰ جزو ہے اور وہ تدبیر جیسے اس کی ہر حالت میں ضرورت ہے ایسی
کمزوری کو کب پیدا کر سکتی ہے۔ انسان کی ضرورتوں اور حاجتوں کا سلسلہ
حرص کی پابندی اور لالچ کی تقلید سے ہر لمحہ اور ہر لحظہ بڑھتا ہی رہتا ہے اور
اس میں کمی نہیں آتی۔ مرتے دم تک یہ سلسلہ بند نہیں ہوتا کیا اس حالت میں
انسان راستبازی سے یہ فیصلہ کر سکتا ہے کہ اسے دیانت اور امانت کی
ضرورت نہیں ہے اور کیا اس کا دل اور نور ضمیر ان کمزوریوں کے اقبال کے
واسطے تیار ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگرچہ انسان روزمرہ لاکھوں روپیہ بددیانتی سے
پیدا کرے اور قاروں کا خزانہ جمع کرے لیکن اس کا دل کبھی بھی خوش نہیں ہو
سکتا۔ جب ایک چور جانتا ہے کہ اس کا سب اثاثہ اور مال ساری چوری کی بدولت
ہے اور ہاتھ کی کمائی نہیں ہے تو وہ کس طرح پر خوش ہو سکتا ہے۔ ایک مزدور

جو دن بھر کی محنت اور مشقت سے مزدوری کما کر لاتا اور اس پر گذارہ کرتا ہے۔ اُسکا دل
بدرجہا اس بد دیانت اور بد کن سے لاکھ درجہ خوش ہے۔ کہ جو دوسروں کی گلو کشی
کر کے زر و جنس یا مال لاتا ہے۔ کیا ایسا شخص خوشی سے بسر کرتا ہے۔ اور کیا اس کا
دل شاداں اور خوش ہو گا۔ حاشا و کلا اگر وہ ایسا دعوے کرتا ہے تو اور گناہ
اپنے سر لیتا ہے۔ ایسے لوگوں کی زندگی ہمیشہ آفت اور وبال میں رہتی ہے۔ اور انکی
جان کیواسطے ایک سخت ہلاکت اور دائمی روگ ہے۔

کتنے بڑے غضب کی بات ہے۔ ایک شخص ایک ... باعث ہم پہ
بھروسہ کرتی ہے اور ہم اُس بھروسہ کا خون کر کے اپنے ذاتی اغراض اور چند
روزہ لطف و مزہ کو مقدم رکھتے ہیں۔

ایک شخص سے ہم قرضہ لیتے ہیں ایک شخص کا مال ہمارے ... ہوتا ہے
ایک شخص کے مقدمہ میں ہم گواہی کئے جاتے ہیں ایک شخص کا مقدمہ ہمارے
ہاتھوں میں انفصال کے واسطے آتا ہے اور ہم سفارش رشوت یا ذاتی دوستی
عداوت یا اختلاط کی وجہ سے حقیقت الامر کے خلاف کر دیتے ہیں اور
اُس پر خوش ہوتے ہیں۔ کیا یہ ایمانداری انسانیت اور شرافت ہے
ان صفات عالیہ کو ان سے نسبت ہی کیا۔ یہ کام اُن صفات کا ہے جنہیں رذیل
سے سمجھا گیا ہے

ان حرکات سے انسان کو مذہب روکتا ہے اور نور ضمیر تنبیہ کرتا ہے
شرافت مانع ہوتی ہے اور اخلاق اُس کے مزاحم ہیں باوجود ان سب موانعات
کے انسان کا ایسا کئے جانا رذالت نہیں تو اور کیا ہے۔

ہم نے اس کتاب میں یہ مضمون اس سبب سے نہیں لکھا کہ اس پر اس سے
اول کچھ خامہ فرسائی نہیں کی گئی بہتوں نے لکھا ہے اور لکھیں گے ہم نے
صرف اس خیال سے اس حصہ کو چھیڑا ہے کہ ہمارے ملک میں اس صداقت
کو روز بروز ترک کیا جا رہا ہے اور جس حکومت کے ہم ماتحت ہیں اُس کیطرف
سے ہم پر یہ الزام ہے کہ ہم میں سے اکثر افراد اس عمدہ صفت سے متصف نہیں

ہوتے۔ اگر ہم انصاف سے کام لیں تو کچھ کچھ اس کی ہمیں تصدیق کرنی پڑے گی گو ہم اس کے کبھی معترف نہیں کہ ہماری حکمران قوم افراد میں سے یہاں یا وہاں کوئی فرد بھی اس نقص میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ہمیں ماننا پڑے گا کہ یہ بظاہر ایک ملک اور ہر ایک قوم میں کم و بیش ہے اور بڑے بڑے ملاسر اور حکمم مراح وزیر اور امیر بھی اس سے نہیں بچے ہیں مگر ان الزامی جوابات سے یہ تو لازم نہیں آتا ہے کہ ہم اپنے افراد کو بے لوث ثابت کرسکیں یا یہ کہیں کہ جب ان میں بھی کم و بیش یہ نقص ہے تو ہمیں کون ملزم ٹھہرا سکتا ہے۔ ہم میں یہ نقص ضرور ہے اور اس میں حکومت موجودہ کا کیا نقصان ہے کیونکہ ہمارے اس نقص اور اس بدی کا نتیجہ ہمارے ہی اجزا اور مواد پر گرتا ہے۔ ہم اصل میں ایک غیر حکومت کی طرف سے اپنے افراد پر حکمران ہیں۔ اور اپنے افراد کو ہی اپنے ہاتھوں اور اپنے کرتبوں سے تنگ کرتے اور جو مصیبت اٹھاتے ہیں۔ ہم پر اعتبار کیا جاتا ہے اور ہم اس اعتبار کو اپنے ہاتھوں کھوتے ہیں ہمیں معتبر اور سلیم الفطرت مانا جاتا ہے اور ہم خود کو اس کے خلاف ثابت کرتے ہیں ٭

ہمارا فرض ہے کہ ہم ملازمت میں ہی نہیں بلکہ تجارت لوپار یا بھی داد و ستد اور عہد و معاملات میں پورے ایماندار اور دیانتدار ثابت ہوں ایمانداری اور دیانت میں ہی ہماری بہتری اور ہماری عزت ہے انسان طبعاً سوال کرنے اور بھیک مانگنے سے شرم کرتا ہے اور یہ نہیں چاہتا ہے کہ اس کے خیالات کے مخالف اور حقیقت الامر کے منافی کوئی فعل ظہور پذیر ہو سکے۔ پھر نہیں معلوم کہ لوگ کیوں بددیانتی سے روپیہ اور مال پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں جب یہ کہا جاتا ہے کہ ہم میں سے کوئی بددیانت ہے تو مارے غصہ اور غیض کے ہمارا چہرہ سرخ ہو جاتا ہے لیکن جب ہم دوسروں کے آگے روپیہ اور مال کے واسطے ہاتھ پھیلاتے ہیں تو اس وقت ہماری حیث تو ضرور توجہ کرلی کرلی ہے اور دل نفرت سے دیکھتا ہے۔ لیکن نہ کس ہاتھ اور نہ ہماری انگلیاں آگے ہونے سے رکتی نہیں ہیں۔ اور نہ ہی باعزت اور محترم چہرہ پر شرم کا

پسینہ آتا ہے۔ ہماری غلطیوں اور بے اعتنائیوں کی مثالیں خوش قسمتی سے یہاں تک پہنچ گئی ہیں کہ اب افراد حکمران میں سے مشکل سے ساتھ ہی کوئی فرد ایسا دیانت دار اور ہولسٹ لکھنے کی جرأت کرتا ہے کیا ہماری یہ حالت قابل افسوس نہیں ہے اور کیا ہمیں یہ کوشش نہیں کرنی چاہئیے کہ ہم میں سے اکثر افراد اس شرمناک نقص سے خالی ہوں۔ اور اکثر افراد کا ذاتی جوہر دیانت داری اور امانت ہو جاوے قوم پر یہ تھوڑا دھبہ نہیں ہے اور یہ بات تھوڑی شرم کی نہیں ہے مذہب کہتا ہے اخلاق سکھاتا ہے۔ نور ضمیر توجہ دلاتا ہے اور قانون منع کرتا ہے کیا اب بھی کسی اور حکم کی انتظار ہے دنیا چند روزہ ہے اور عزت اور احترام مشکل سے ملتا ہے متدین اور امین بننے کی کوشش کرو تاکہ غیر قومیں بھی تمہاری تعریف کریں۔

غیرت

ہر ایک قوم اور ہر ایک سوسائٹی میں اس شخص کی تعریف کی جاتی ہے کہ جو غیور یا غیرت مند ہو۔ گو مفہوم غیرت اور حمیت میں بعض معاملات اور بعض کیفیات کے اعتبار سے گو فرق ہے مگر جن معنوں میں کسی قوم اور کسی سوسائٹی نے غیرت کو لیا ہے۔ اُن معنوں میں غیرت مندوں کی تعریف ہی کی گئی ہے۔

گو یہ معلوم کرنا ناممکن نہیں کہ کن کن معاملات میں قوموں نے مفہوم غیرت کی بابت آپس میں اختلاف کیا ہے مگر کسی قدر مشکل ضرور ہے اکثر ایسی باتیں یا امور ہیں کہ جن میں ایک قوم غیرت مند ہے اور دوسری قوم اس کا کچھ خیال نہیں کرتی۔ ایک امر ایک قوم کی نگاہوں میں باعث غیرت ہے اور وہی امر دوسری قوم کی نظروں میں کسی نوٹس کے قابل نہیں ہوتا۔

یہ امر ہم مان لیں گے کہ بہیت مجموعی ساری قوموں میں غیرت کا مفہوم یا غیرت مندی کی تعریف ایک ہی ہو لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ماننا پڑے گا

کہ قوموں اور افراد اقوام کے اختلاف اور رسوم معاشرت کے تضاد کی وجہ سے
اس مفہوم کی تاویل میں کچھ نہ کچھ فرق بھی آگیا ہے اور وہ فرق ایسا نہیں ہے
کہ اُسے محسوس نہ کیا جا سکے اس فرق اور اختلاف کی وجہ سے بادی النظر میں
یہ کہا جاتا ہے کہ غیرت کی تعریف ہی مختلف فیہ ہے۔ یا یہ کہ اُس کی کوئی جامع
مانع تعریف کرنا چاہئیں تو زیادہ سے زیادہ ان الفاظ میں کی جا سکتی ہیں۔

جو امر یا جو فعل یا جو خیال انسان کے اُن جذبات کے خلاف ہو
جنہیں وہ طبعاً۔ رسماً مذہباً۔ اخلاقاً مان چکا ہے۔ وہ غیرت مندی یا بیغیرتی
یہ ایک ایسی قسم کی تعریف ہے کہ گو الفاظ میں جامع مانع ہو مگر مفہوماً جامع مانع
نہیں ہے طبعی جذبات کو چھوڑ کر دیگر ہر ایک قسم کے جذبات میں گونہ اختلاف
ہے۔ اور اُن میں ایک قوم دوسری قوم کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی۔ ہندو اپنے
مذہب کے اعتبار سے مذہبی جذبات کے لحاظ سے جن جن باتوں پر غیرت
کھا سکتا ہے اُن میں سے اکثر امور کی بابت مسٹر پارسن کے دل میں جوش
غیرت جوش اور نہیں ہو سکتا۔ ایک یورپین جن بعض باتوں رسمی کے لحاظ
سے غیرت مند ہو سکتا ہے۔ ایک ہندوستانی ان میں سے اکثر خیال ہی نہیں کرتا
باوجود اس تضاد مسموم کے اکثر امور میں غیرت کو
ایک ہی معنے میں تاویل کیا جاتا ہے۔ نہیں کچھ ضرورت نہیں کہ اس تضاد
جزوی کی وجہ سے مفہوم کلی کو چھوڑ دیں۔ ہم اس مضمون میں مفہوم کلی کے
کے اعتبار سے بحث کرتے ہیں۔

اس صورت میں بھی ہم غیرت کی انہیں الفاظ میں تعریف کریں گے کہ جن
الفاظ میں اوپر کی ہے ہمارے خیال میں **غیرت یا غیرت مندی**۔
انسان کا ایک طبعی خاصہ ہے۔ عام اس سے کہ وہ خاصہ بعد کو کسی پیرایہ میں
تاویل کیا جائے۔ انسان طبعاً چاہتا ہے کہ جس امر پر وہ یقین رکھتا ہے اور
جس کو وہ مانتا ہے اور جس سے اُس کو ایک خاص تعلق یا استعداد اور ربط
ہے اُس کے خلاف کوئی صورت پیدا نہ ہو۔

جب اس کے خلاف کوئی صورت عملاً قولاً پیدا ہوتی ہے تو انسان کے خیالات میں ایک قسم کی نفرت اور جوش پیدا ہوتا ہے اور انسان اس کا اظہار کسی نہ کسی پیرایہ میں کرتا ہے۔ اسی اظہار کو غیرت کہا جاتا ہے۔

اُن شخصوں نے جن کو انسانی جذبات اور طبائع کی بابت بحث اور غور کرنے کا موقعہ ملا ہے ثابت کیا ہے کہ انسان کے ضروری جذبات میں سے غیرت مندی بھی ایک لازمی اور سود مند جذبہ ہے اور بعضوں نے یہاں تک بھی کہہ دیا ہے کہ اسی اقدس اور پاکیزہ جذبہ کی بدولت انسان اکثر ترقیات کا وارث مانا گیا ہے۔ مختلف تاریخیں اور بہت سے [illegible] اس امر پر روشنی ڈالتی ہیں کہ اکثر انسانوں اور ناموروں کو حمیت اور غیرت مندی کی وجہ سے وہ خصوصیت اور وہ امتیاز حاصل ہوا ہے کہ آج تک اُن کا نام نامی تاریخی صفحوں میں محترم یادگار کے طور چلا آتا ہے۔ بڑے بڑے بادشاہوں جنگ آوروں، بہادروں کی شکست اور حالت بیکسی کی حالت میں صرف غیرت مندی کی وجہ سے ہی دوبارہ کامیابی حاصل کی جب بہادر فوجوں اور بڑے بڑے سالاروں نے دشمن کی مہلک ضربوں سے تنگ آکر شکست کھائی اور آگے سے بھاگے پیچھے قدم کیا تو اُن میں سے جیالے بہادروں اور افسروں نے جوش غیرت میں آکر ایک دفعہ رُخ جو پھیرا تو چیرتے پھاڑتے دلوں کو ہلا دیا اور بگڑی ہوئی حالت کو پھر قائم کرکے دکھا دیا۔

ایک طالب علم بار بار کی ناکامیابی کی وجہ سے سخت بے دل اور بے ہمت ہو رہا ہے یک دفعہ اس کے مردہ دل میں غیرت جوش مارتی ہے اور وہ پھر ایک دفعہ قسمت آزمائی کرتا ہے اور کامیاب ہوتا ہے۔

ایک جہاز سمندروں کی خوفناک لہروں سے بار بار ساحل مقصود سے دور پھینکا جاتا ہے لیکن اُس کی غیرت مندی اُس کو پھر اُنہیں لہروں میں لے جاتی ہے اور وہ آخر کار کامیاب ہو جاتی ہے۔

پہاڑوں کی دور دراز چوٹیوں اور بلندیوں پر باوجود اس قدر خطروں اور

تہلکوں کے سیاحوں کو کون سی طاقت کشاں کشاں لے جاتی ہے اور اُن کی ہر
کوں سدھاتی ہے یہی **غیرت یا غیرت مندی**۔

ایک کمزور آدمی اور ایک نحیف الجثہ شخص جس سے چلا بھی نہیں جاتا جوش
میں آکر ایک قوی تن آدمی سے مقابلہ کرتا اور اُس کو گرا دیتا ہے یہ کون طاقت ہے
جو اُس میں آگئی وہی **غیرت مندی یا غیرت**۔

"**تاریخوں** کیفیات حیات مختلفہ میں صدہا اسی قسم کے نمونہ واقعات ملتے
ہیں کہ جن سے اس جوہر سودمند کا پتہ چلتا ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ انسان کو اُس
کی ضرورت فی الواقع کہاں تک ہے۔

اخلاقی عالموں نے اس جوہر لطیف پر دل چسپ بحثیں کی ہیں اور اُن
کا رجحان بھی زیادہ تر اسی طرف رہا ہے۔ کہ انسان کو اس کی ضرورت ہے
اور وہ ایک سودمند جوہر ہے اور طبعی ہے۔

اخلاقی عالموں نے یہ بحث بھی کی ہے کہ جس طرح اور اخلاقی طاقتوں یا اصولوں
کو غیر ضروری اور ناسودمند مفہوموں میں تاویل کیا جاتا ہے اسی طرح پر غیرت کے
مفہوم میں بھی غیر ضروری مواد اور اجزا کو داخل کیا گیا ہے جس سے بجائے
فائدہ کے نقصان ہوتا ہے۔

غیرت اپنے مختلف مفاہیم کے اعتبار سے ایک قسم کی نہیں ہے اُس
کی موٹی موٹی قسمیں اور شعبے حسب ذیل ہو سکتے ہیں۔

(الف) طبعی

(ب) مذہبی

(ج) قومی

(د) رسمی

(ہ) وہمی

طبعی غیرت عموماً ایک ہی پیمانہ اور مقدار سے ہر ایک بشر میں سوائے اُس
جزوی اختلاف کے کہ جو ایک طبع کو بمقابلہ دوسری طبیعت کے حاصل ہے ہوتی ہے

ہر ایک شخص طبعاً گالی اور گندی باتوں سے متنفر ہے اور ایسی باتوں اور ایسے الفاظ کے اطلاق سے ہر ایک متنفس کی طبیعت میں ایک قسم کا غصہ اور غیرت جوش مارتی ہے۔ اور انسان اپنے آپے سے باہر ہو جاتا ہے۔

ہر ایک شخص طبعاً چاہتا ہے کہ جو حق اُس کا ہے اور جسے نیک نیتی سے وہ اپنا حق جائز سمجھتا ہے اُس میں کوئی دوسرا دست اندازی نہ ہو۔ جب کوئی دوسرا اس میں دست اندازی یا حارج ہوتا ہے تو وہ غیرت کھا کر اُس کا مزاحم اور مقابل ہوتا ہے۔ جو شخص کوئی مذہب رکھتا ہے اور جس کا وہ پابند ہے اُس کا حق اور اُس کا فرض ہے کہ اُس پابندی اور تقلید تک اُس کا حامی ہو اگر کوئی شخص اُس کا مزاحم ہو تو اُس کی مزاحمت کو روکے

مذہبی غیرت مندی بعض اوقات سب غیرتوں سے بڑھ جاتی ہے اور انسان اُس کے مقابلہ میں ہر ایک فائدہ اور آسایش کے چھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے مذہب کا تعلق زیادہ تر خیال اور دل سے ہوتا ہے جب کسی کے خیال اور دل پر حملہ کیا جائے تو وہ ایک جنون کی حالت میں غیرت کھاتا اور مقابلہ کرتا ہے جن لوگوں نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ مذہبی مداخلت سے کوئی دوسرا جوش میں نہ آئے اور غیرت نہ کھائے ایک غلط فیصلہ دیا ہے تاوقتیکہ کوئی شخص کسی خاص مذہب و ملت کا پابند ہے۔ عام اس سے کہ وہ مذہب بجائے خود کیسا ہی ہو اس کا حق ہے کہ اُس کی حمایت کرے۔ اور تاوقتیکہ ایک شخص ایک مذہب کا حامی اور معتقد ہے دوسروں کو نہ چاہیے کہ اُس مذہب کی اُس کے سامنے ناجائز طور پر محض دل دکھانے کے واسطے بد گوئی کریں جس طرح پر ایک حق مذہب کے پیرو کار کے دل میں مذہبی سودا سے جوش اور غیرت آتی ہے اسی طرح پر اُس مذہب کے مقتدیوں کے دلوں میں بھی جوش آتا ہے کہ جن کو حق پر نہیں سمجھا جاتا تنقید المذاہب کی بحث ایک دوسری بحث ہے اور بحیثیت مقتدی ہونے کے ایک مقتدی کے دل میں غیرت کا جوش مارنا ایک دوسرا مرحلہ ہے۔

لوگ ایک مذہب کی تحقیر کرتے اگر اس بات کو سوچ لیں کہ اگر کوئی دوسرا انکے

معتقدہ مذہب کی تحقیر کرے تو اُن کا کیا حال ہوگا۔ اور اُن کے دلوں پر کیا کچھ گذریگا
تو شائستہ خیال سے باز رہنے کی کوشش کریں۔

البتہ صحیح اور دلایل شریفہ کے ساتھ ایک مذہب کا خلاف حق ثابت کرنا کوئی
بُرائی اور تذلیل نہیں ہے جس قدر خیالات اور مسلّمات دُنیا میں گشت کر رہے ہیں۔ اُنکی
بابت تحقیقات کے دایرہ میں آکر لوگ سیکڑوں رائیں رکھتے ہیں۔ کوئی تردید کرتا ہے
اور کوئی اثبات۔ اثبات تحقیقات اور تنقید میں جوش اور غیرت کھانا کسی حقیقت الامر
کے خلاف ہے جو شخص ایک خیال کو حق سمجھتا ہے۔ اُس کا حق ہے کہ وہ اُسے حق
حق سمجھے۔ لیکن جو اُس کو حق نہیں سمجھتا ہے اس کو بھی یہ حق ہے کہ اُس کے ناحق ہونے
کے دلایل کا اظہار عامہ کرے اور اپنی رائے کی صحت کا ثبوت دے دُنیا میں تب
ہی کوئی طاقت کوئی خیال کوئی شئے مقابلۃً ترقی پا سکتی ہے کہ جب اُس کو اصلی
دلایل سے مقابلہ دوسروں کے برتر اور حق ثابت کیا جائے۔ مذہب ایک مانا ہوا
خیال ہے ہر ایک کا حق ہے کہ اُس ماننے ہوئے خیال کی مقابلتاً دلایل اور براہین
سے تصدیق کرلے اس میں اس وقت تک کوئی بُرائی اور کوئی قباحت نہیں ہے
کہ جب تک محض دل آزاری اور خود غرضانہ تذلیل کی صورت نہ پائی جائے۔

رسمی غیرت مندی کا وجود کبھی پایا جاتا ہے جن باتوں اور جن خیالات کو ایک
قوم یا ایک سوسائٹی یا ایک شخص نے سچائی یا غلطی سے مان لیا ہے یا جنکو مانا جاتا
ہے ان کے خلاف اظہار سے طبیعتوں میں ایک قسم کا جوش اُٹھتا ہے اور لوگ
غیرت میں آجاتے ہیں اگر ہم اس امر کو مان لیں کہ دُنیا کی رسُوم اور مسلّمات میں سے
اکثر حصّہ محض اعتباری طور پر تسلیم کیا گیا ہے تو شاید کوئی مسامحت نہ ہوگی۔ اس سے
ہمیں انکار نہیں کہ دُنیا کے مسلّمات کی بنا دلایل پر ہی ہے یا یہ کہ تسلیم کے بعد دلایل
کا سلسلہ قایم کیا گیا ہے لیکن اس سے بھی انکار نہیں ہوسکتا کہ بہت سے امور کو محض
اعتباری طور پر مانا گیا ہے۔ جہاں ایک امر کا اعتبار کیا جاوے وہاں دلایل کا سلسلہ
یا تو منقطع کر دیا جاتا ہے اور یا خود بخود ہی رفتہ رفتہ منقطع ہو جاتا ہے اُسکے ماننے کے
واسطے پھر سب سے اعلیٰ حجت صرف اعتبار کو ہی مانا جاتا ہے۔ اعتباری رسوم کے

مقابلہ میں جب کوئی غلطی سرزد ہو جاتی ہے تو لوگوں میں ایک تفرقہ پیدا ہو جاتا ہے
اور انسان کہنے لگ جاتے ہیں کہ اب ہماری عزت اس امر کی متحمل نہیں ہو سکتی۔
بعض اوقات ایسا کہنا اور ایسا کر دکھانا بہت سے فتوحات اور برکتوں کا موجب
ہوتا ہے۔ اور انسانی جماعتوں میں ایسے حالات ایک مبارک کام مالی دکھاتے
ہیں۔ لیکن بعض اوقات غلط فہمی سے یا اس وجہ سے کہ جس امر پر اعتبار کیا گیا ہے
وہ بجائے خود ناقابل اعتبار تھے اور اس قابل تھی۔ کہ اس کی نسبت انسانوں
میں غیرت کا جوش پیدا ہوتا۔

جوش غیرت وقوع پذیر ہو کر بہت سی برائیوں اور خرابیوں کا موجب ہوتا ہے
اور انسانی جماعتوں میں ایسے ایسے مہلک فسادوں کی بنیاد پڑ جاتی ہے کہ پھر آسانی
سے اُن کی اصلاح نہیں ہو سکتی۔

جوش غیرت ایک تلوار ہے اگر نا واجبی اور بے موقعہ ہے تو بہر صورت خود اس
کرنے والے کے حق میں مہلک ثابت ہوگی لوگوں نے رسمی معاملات میں
غیرت مندی کو ایک کھیل سمجھ رکھا ہے۔ بات بات میں غیرت کو جوش آ جاتا
ہے اور دوست دشمن ہو کر جان مال اور آبرو برباد کی جاتی ہیں۔ گھر میں
میاں بیوی سے معمولی بات چیت ہوئی اور میاں کو غیرت نے آ دبایا بیٹے کو
باپ نے کچھ سخت کہہ دیا اور بیٹا جوش غیرت سے دیوانہ ہو گیا۔ ایک ناصح نے
دین نصیحت کھولا اور مسموع فرط غیرت سے مجنوں ہو گیا۔

خاندانی یا قومی لغو رسوم کی پابندی میں ہمیشہ کہا جاتا ہے کہ میاں
اب ہم اور کس طرح کریں غیرت نہیں جاتی کہ اسے چھوڑیں لوگ طعنے دیتے
ہیں آخر دنیا میں رہنا ہے۔ لوگ ایسا کیوں کہتے ہیں صرف اس وجہ سے
کہ انہوں نے غیرت کے مفہوم کو ذلت کے مضمون سے بدل کر رکھا ہے ایسے
لغو امور اور لغو رسوم کی بابت غیرت کو کبھی نوٹس لینے کا موقع ہی نہیں ملتا۔ وہ
ایک تہذیب خود ہے۔ ہمیں کہنا ضروری ہے کہ ایسے لغو رسوم سے سروکار رکھنے
رسمی غیرت مندی کے ساتھ ساتھ ہی فرضی غیرت کی بھی لیس ڈوری جاتی

ہے۔ دراصل یہ لین ڈوری بھی رسمی پڑاؤ سے ہی چلی ہے۔ اکثر لوگوں نے اکثر لغو امور کو فرض کر لیا یا فرضاً مان لیا ہے۔ جب اُن کے خلاف دیکھتے ہیں تو جوش میں آجاتے ہیں اور اطمینان کے لئے کہہ دیتے ہیں کہ ہماری غیرت اس کی متقاضی نہیں ہے۔

وصول خرچی کو اگرچہ بُرا سمجھا جاتا ہے اور فیتس کی خرابیوں کو اگرچہ مان لیا گیا ہے لیکن اب ایک دفعہ شروع ہو کر بیٹھے تو چھوڑیں کس طرح اگر چھوڑتے ہیں تو غیرت اس کی متقاضی نہیں ہے۔ دُنیا کو کیا مُنہ دکھائیں مقدمہ بازی نے اگرچہ خاک سیاہ کر دیا ہے اور زندگی دوبھر نظر آتی ہے لیکن اب راستی اور صداقت سے فیصلہ کر نا اور گھر میں ہی ان منازعات کو سُلجھانا ایک شرم اور ایک بے غیرتی ہے

جانتے ہیں کہ ہم حق پر نہیں ہیں اور قصور ہمارا ہی ہے لیکن اب اپنے قصور کا اقرار کرنا غیرت کے خلاف ہے۔ ہماری حمیت اس کی متقاضی نہیں۔ جانتے ہیں کہ امر واقعہ یوں ہے مگر اس کا اظہار غیرت کے منافی ہے۔ جانتے ہیں کہ یہ عمل یا یہ فعل طبعی یا عُرفی صداقت اور پاکیزگی و شرم کے خلاف ہے۔ لیکن باز نہیں آتے صرف اس خیال سے کہ اس کی غیرت متقاضی نہیں ہے۔

کیا درحقیقت ان سب امور واہی کی نسبت غیرت ہی نوٹس لیتی ہے اور غیرت ہی انسان کو آمادہ کرتی ہے۔ ہرگز نہیں جس طرح ہر ایک دیگر قوتِ طبعی کے مقابلہ میں مغالطہ موجود ہو جاتا ہے۔ اسی طرح غیرت کے مقابلہ میں بھی غلطیاں سرزد ہوتی رہتی ہیں۔ یہ غیرت نہیں ہے بلکہ ایک قسم کی احمقانہ ضد اور ہٹ ہے۔ غیرت اور ضد میں فرق ہے۔ غیرت واقعات کے مطابق چلتی ہے اور ضد میں یہ بات نہیں ہوتی۔ غیرت سے انسان کے احترام اور اکرام میں ترقی ہوتی ہے اور ضد سے ذلت آتی ہے انسان کو چاہئے کہ لغو اُموں میں ضد نہ کرے اور اُس کو غیرتمندی نہ سمجھے۔ اگر وہ ایسا سمجھتا ہے تو وہ ایک شرمناک مغالطہ میں ہے

قومی غیرت شخصی غیرت کا مجموعہ ہے جس طرح ہر ایک شخص کو ذاتی یا شخصی

غیرت کا جوہر حاصل ہے۔ اسی طرح بحیثیت مجموعی ایک قومی غیرت ہے طبعاً
ہر ایک قوم اور قومی افراد میں یہ جوہر ودیعت کیا گیا ہے کہ بحیثیت ایک قوم کے
اُن کو عزت اور حمیت حاصل ہو۔ بعض دفعہ مذہبی غیرت سے قومی غیرت کے لمعہ
بڑھ جاتے ہیں مذہب کی بنا د اتحاد خیالات پر ہے لیکن قوم کی بنیاد خون پر ہے
اور خون سے ہی شروع ہوتی ہے۔ چونکہ بعض دفعہ بمقابلہ مذہب کے زیادہ تر
سہولت سے تمام قومی رگ و ریشہ میں دورہ کرنے لگ جاتا ہے اور بجلی کی طرح
سرایت کر جاتا ہے۔ اور بصورت زیادہ تر اُن قوموں میں پائی جاتی ہے کہ جن کا
مذہب قوم سے جداگانہ ہے یا جن کی قوم مذہب کے قبول کرنے سے پہلے قائم
ہو چکی ہے جس طرح مذہبی اور رسمی غیرت بندی میں مغالطے پائے جاتے ہیں
اسی طرح قومی غیرت بندی بھی نقص سے خالی نہیں ہے۔ بعض دفعہ قومی عظمت
کے خیالات میں دوسری قوموں کو انسانیت کے درجہ سے بھی گرا دیا جاتا ہے اور
اُن سے راہ و رسم رکھنا ایک قومی ذلت خیال کیا جاتا ہے۔ ایسی ضمن میں قومی
حقوق کو بے رحمی سے تلف کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہی باتیں ہیں کہ جو
ایک قوم کو دوسری قوم سے متنفر کر دیتی ہیں۔ یہ غیرت نہیں ہے بلکہ ایک جاہلانہ
رعونت اور خود پسندی ہے۔ بے شک ایک قوم کی خداداد قومی عظمت ایک
عظمت ہے۔ لیکن اُس عظمت کی وجہ سے دوسری قوموں کی گردن پر چھری پھیر
دینا انصاف اور رحم کے خلاف ہے۔

کوئی قوم اُس وقت تک نہیں بنی اور نہ ہی مقابلتاً اُس کی عظمت اور شان پائی
جاتی ہے جب تک کہ خود اُس قوم کے سب افراد میں بحیثیت مجموعی قومی غیرت
قومی حمیت قومی دل سوزی نہ ہو کوئی قوم اُس وقت تک ترقی نہیں کر سکتی کسی قوم
کو اُس وقت تک عروج میں نہیں جب تک کہ اُس کے ہر ایک فرد کے دل میں
بحیثیت ایک مجموعہ قومی کے جوش اور حمیت نہ ہو جب تک غیرت بندی کے
اعتبار سے ایک فرد قوم سب افراد قوم کا مجموعہ نہ سمجھا جاتا ہو۔ اور جب تک مجموعہ
قوم سب افراد کو شامل اور محتوی نہ ہو تب تک نہیں کہا جا سکتا کہ وہ قوم ترقی کرے

کے قابل ہے یا ترقی کر رہی ہے۔ قوموں کو کون سی کمی اسے پایہ سے گراتی ہے
اور کون سی ہوتی اور کون سی طاقت اسے عروج پر لے جاتی ہے۔ جب کسی قوم
میں سے ہمدردی اور جوش حمیت اٹھ جاتا ہے اور قوم کے افراد مجموعہ سے
جدا ہو جاتے ہیں اور مجموعہ کو افراد سے کوئی تعلق نہیں رہتا ہے اور ایک فرد قوم
میں مجموعہ کا درد اور مجموعہ کی کشش نہیں رہتی ہے تو وہ قوم تباہ ہو جاتی ہے
اگرچہ دنیا میں اس کا نام رہتا ہے لیکن جو نام کہ عروج کی تاریخ میں لکھا جاتا
وہ کہاں؟ برخلاف اس کے جس قوم اور جس قوم کے افراد میں غیرت ہمدردی اور
جوش حمیت باقی رہتا ہے وہ قوم بہت ویسی ہی قوموں سے گوئے سبقت لے
جاتی ہے۔ اور اس وقت اس کو ایک قوم کہا جاتا ہے کثرت افراد اکثیر العدد
ہونے کی وجہ سے کسی قوم کو دوسری قوم پر فوقیت اور برتری حاصل نہیں ہوتی
ملک کا مالدار ہونے کی وجہ سے کمالات اس حالت میں حاصل ہو سکتے ہیں کہ جب اسکے
استعمال کے واسطے کوشش اور سعی عمل میں آوے یعنی اور کوشش وجود پذیر نہیں
ہو سکتی تا وقتیکہ قومی جوش اور قومی غیرت نہ ہو۔

قومی جوش اور قومی غیرت کا اصول یہ ہے کہ اس وقت کہ جب ہر ایک فرد
قوم کا قائم مقام ہو سکے۔ اور ہر ایک شخص قوم کا مجموعہ بن جاوے یا مجموعہ افراد
کی پوزیشن میں ہو۔ جب تک ایک فرد کی تکلیف اور تکلیف سے سارے افراد کی
جان پر بن جاتی ہے اور سارے مجموعہ کو حرکت پیدا ہو جب تک نہیں کہا جا سکتا
کہ ایک قوم زندہ ہے۔ یہی یورپ اس وقت ترقی یافتہ ہیں ان سب کو
صرف اس وجہ سے ترقی اور کامیابی نصیب ہوئی ہے کہ ان میں قومی روح
اور قومی عزت کام کر رہی ہے اور وہ ان دو روحوں سے زندہ ہیں۔ پس جو قوم
زندہ ہونا چاہتی ہے وہ اپنے مجموعہ اور اپنے افراد میں حمیت اور غیرت کی روح
پیدا کرے اور جو افراد مجموعہ کی حالت میں آنا چاہتے ہیں انہیں لازم ہے
موتیوں کی طرح ایک دوسرے سے مل ملا کر مجموعہ بن جاویں جو کام ایک فرد
قوم کے واسطے ضروری ہو سارے افراد اس طرف جھک جاویں اور اس کا

کامیاب ہونا ہی کامیابی سمجھیں۔ اور اس کی ناکامیابی کو اپنی ناکامیابی سمجھ کر کوشش
عبث کو جوش میں لاویں اور اپنی شریف جوہر سے کام لیں۔ اپنے اور قوم کے لیے
عزت مند ہوں تاکہ کہا جاوے کہ تم غیور ہو۔ جو قوم جو شخص غیور نہیں وہ زندہ
نہیں بلکہ مردہ ہے÷

خودغرضی

یہ کہنا کہ دنیا میں رہ کر ایک انسان کو دوسرے انسان سے کوئی غرض یا
حاجت نہ ہو ایک فرضی خیال ہے۔۔ مانا کہ بہت سے ایسے انسان نکل آئینگے
کہ جن کے اغراض اور حاجات کا منبع معاملہ کم اور محدود ہو مگر یہ کہنا کہ سرے سے
ہی نہیں۔ درست نہیں ہے۔ جو شخص یہ کہتا ہے کہ میں کسی سے کوئی حاجت یا غرض
نہیں رکھتا یا یہ کہ مجھے عمر بھر ایسا موقعہ ہی نہیں آنے کا ایک غلط خیال کی
پیروی کرتا ہے۔

قدرت نے ایک سلسلہ انسانی کو دوسرے سلسلے سے ایسا پیوستہ کیا ہے
کہ زنجیر کی کڑیوں کی طرح ایک کڑی سے دوسری کڑی اٹکی ہے۔

یہ کہنا کہ جو آدمی کوئی غرض ہو یا نہ ہو دوسرے سے اس کا اظہار یا درخواست نہیں
کرنا چاہیئے پہلے خیال کی طرح ہی ناممکن ہے۔ جب غرض ہوتی ہے اور حاجت
پڑتی ہے مجبوراً اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے اور اس طرف مائل ہونا پڑتا ہے کہ جو اس
کو پورا کرنے کی طاقت رکھتے ہیں۔ درجوں اور رتبوں پر کچھ موقوف نہیں ہر ایک
درجہ اور ہر ایک کلاس میں اغراض اور حاجات کا سلسلہ موجود ہے اور ہر ایک
درجہ اور کلاس والوں کو اس کا اظہار کرنا پڑتا ہے بعض دفعہ بڑی کلاس اور بڑے
درجہ والوں کو چھوٹے درجوں والوں سے اپنی حاجات کو لے جانا پڑتا ہے اس
قسم کے موقعے انسان کو اکثر موقعہ پر پیش آتے ہیں۔

ان حالات میں انسان کا صاحب غرض اور صاحب حاجت ہونا کوئی بری
بات نہیں ہے اور یہ کہنا پڑے گا کہ انسان اس سے بری اور محفوظ نہیں رہ سکتا

جو شخص یہ کہتا ہے۔ کہ میں کوئی غرض نہیں رکھتا جھوٹ بولتا اور خلاف کہتا ہے۔
جب ہر ایک شخص صاحب الاغراض والحاجات ہے۔ اور طبعاً ہر ایک چاہتا ہے
کہ اس کے اغراض اور دلی مدعا پہلے پورے ہوں۔ اور ان سے کسی کو اغراض
اور انکار ہو تو دوسرے الفاظ میں یہ بھی کہنا پڑے گا کہ ہر ایک بشر خود غرض
بھی ہیں۔ اور ہر ایک کا یہ مسن ہونا چاہیئے کہ اپنے اغراض کو مقدم رکھے۔

خود غرضی اور خود غرضوں کو بالعموم برے ناموں اور مکروہ الفاظ سے یاد
کیا گیا ہے۔ کیا خود غرضی بنفسہ کوئی بری صفت ہے اور یہ کسی انسان میں نہیں ہونی
چاہیئے۔ میری رائے میں خود غرضی سے کوئی فرد بشر خالی نہیں ہے۔ لیکن خود
غرضی سے کسی شخص کی عزت کرنا اور اس کے ساتھ تعلقات کو بڑھانا اور اس
وسایل کو اپنے اغراض کے انجام کا محض ایک عارضی ذریعہ جاننا ایک اخلاقی کمزوری
میں ایک شخص کو صرف اسواسطے دوست رکھتا ہوں کہ وہ کسی وقت بالفعل
میری کسی غرض کو پورا کردے یا اس میں مدد دیوے۔ اور جس وقت وہ کام ہو
جاوے تو پھر واقف نہ ہے۔ اور وہ آنکھیں نہ رہیں کہ جو اسداد میں تھیں۔ ان
حالات میں واقعی ایسا شخص ایک فریب دہندہ اور مکار ہے۔ اس کی دوستی محض
خود غرضی سے ہے اور پیار و محبت ایک چند روزہ اور عارضی سلسلہ ہے جب
اس کی غرض رفع اور پوری ہو جاوے گی تب اس کی الفت اور محبت کا
خاتمہ ہو جاوے گا۔

دوستی بلاغرض ہو اور محبت خالص اوس کے ضمن میں اگر ایک دوست کو
امداد و اعانت اور ہمدردی کی ضرورت ہے تو دوسرے دوست کا فرض ہے کہ اس
کو مدد دیوے اور اس کا راست مددگار ثابت ہو۔ لیکن دوستی صرف اس غرض
سے کرنا کہ اغراض پورے کرائے جاویں۔ ایک مردانہ حکمت ہے۔ غرض نکال
کر پیچھے ہٹ جانا اور آنکھوں سے نہ دیکھنا۔ غرض کو ہی مقدم رکھ کر دوستی
کرنا ایک شرمناک غلطی ہے۔ دراصل یہ دوستیاں نہیں ہوتی ہیں بلکہ ایک قسم
حکمت اور چال۔ جب تک ایک کیس وکیل رہتا ہے تب موکل اور وکیل دونوں

دونوں آپس میں اختلاط رکھتے ہیں۔ لیکن جب مقدمہ کا فیصلہ ہو جاتا ہے تو وہ سلسلہ
باقی نہیں رہتا۔ تجارت اور بیوپار میں خودغرضی اور خودپرستی ہوتی ہے
اور ایسی صورتوں میں خودغرضی کے سوائے کام کبھی نہیں نکلتا ہے۔ لیکن دوستی
کی بنیاد خودغرضی پر رکھنا ایک کمینہ پرستی ہے۔

ہر ایک دوستی واقفیت اور ملاقاتی سلسلوں سے علیحدہ ہے۔ واقفیت
اور ملاقاتی سلسلوں کی اقامت تمدن کے اغراض سے ہوتی ہے۔ لیکن دوستی
کا وجود محض تمدن کے خیال سے نہیں ہوتا ہے۔ بلکہ اس میں تفریح روح اور
اطمینان قلب کے واسطے مستقل وسائل پیدا کئے جاتے ہیں۔ خواہ کوئی غرض
پوری ہو یا نہ ہو اُن مستقل وسائل کو باقی اور قائم رکھا جاتا ہے

بعض احباب کم حیثیت کے ہوتے ہیں وہ عموماً اغراض کو پورا نہیں کر سکتے
تو کیا اس صورت میں اُن کی محبت اور اُلفت کو برباد کر دیا جائے اور اُن کو
دوست نہ کہا جاوے گا۔ ہرگز نہیں۔ اغراض کچھ اور ہیں اور دوستی اور خلوص کچھ اور
صادق اور سچے دوست ہو۔ سچی اُلفت اور سچی محبت پیدا کرو۔ تمام اغراض
اور حاجات کو مدار رکھ کر ایک دوست کو دوسرے دوست پر فدا اور شیدا ہونا
چاہئے۔ جب سچی محبت ہو جاوے گی اور خلوص میں ترقی ہوگی۔ تو کوئی وجہ ہے
کہ ایک مخلص دوسرے مخلص کی مصیبت اور تکلیف میں کام نہ آئے اور اُس کا
دل نہ پسیجے۔ اور ہمدردی نہ کرے۔ وہ رشتہ اور وہ خلوص پیدا کرو کہ تمہارے
اغراض اور تمہاری ضروریات خود اُسی کی حاجات اور اغراض ہو جاویں تفریق
اور دوئی رہے ہی نہیں۔ خالص بننے کی کوشش کرو اور خالص بن جاؤ۔